ST. ATHANASIUS
ON THE INCARNATION

کلمۃ اللہ

کے تجسم کے بیان میں

مقدس اتھنسیس

کا رسالہ

1908

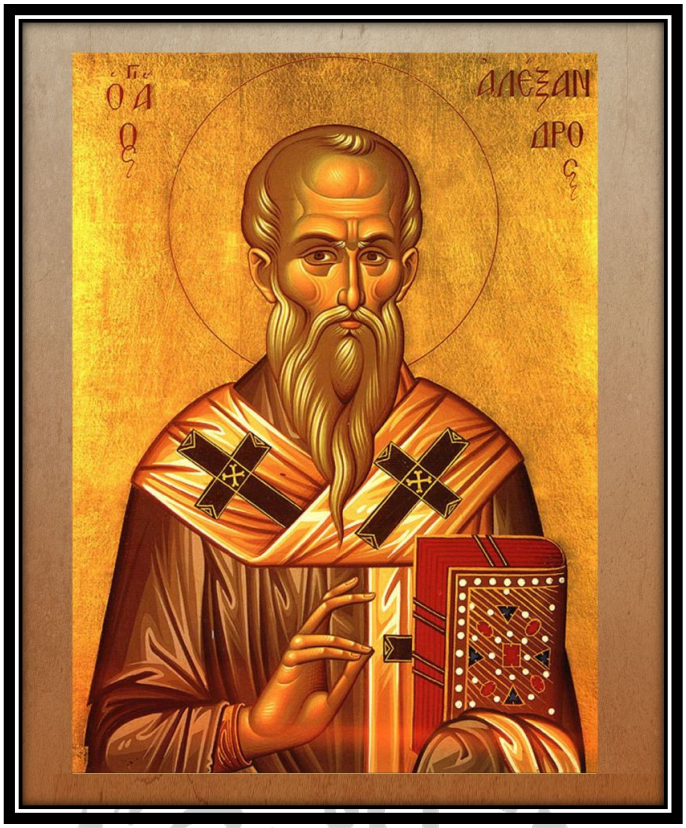

Born 296.AD Died 373.AD

St. Athanasius

ON THE INCARNATION

کلام اللہ کے تجسم

کے بیان میں

مُقدّس اثناسیس کا رسالہ

مترجمہ پادری ایس۔اے۔سی۔گھوس بی۔اے

کرسچن نالج سوسائٹی انارکلی لاہور

۱۹۰۸

مطبوعہ فیض بخش سٹیم پریس فیروز پور شہر

فہرست مضامین

نمبر شمار	مضمون
۱	اثناسیس کا احوال
۲	دیباچہ
۳	دُنیا کی پیدائش کے غلط خیالات کی تردید
۴	دُنیا کی پیدائش کی سچی تعلیم
۵	انسان کا گناہ میں مبتلا ہونا
۶	گناہ میں پڑنے کے بعد انسان کی بُری حالت
۷	انسان کے گرنے کے علاج کی ضرورت
۸	فقط گناہ سے توبہ کرنا انسان کی بُری حالت کا کافی علاج نہ تھا
۹	کلمۃ اللہ کا تجسم
۱۰	کلمۃ اللہ کے تجسم نے ہم کو موت سے خلاصی بخشی۔
۱۱	تجسم کی مناسبت
۱۲	انسان کے لیے خُدا کا حسن انتظام اور انسان کی بدی
۱۳	توریت اور نبیوں کے باوجود بنی آدم کی سرکشی
۱۴	نسل انسان کا نیا کیا جانا مناسب تھا
۱۵	کلمۃ اللہ کے تجسم کی مناسبت
۱۶	کلمۃ اللہ کی فروتنی
۱۷	کلمۃ اللہ کی معموری

۱۸	تجسم کے باعث کلمۃ اللہ محدود نہ ہو گیا۔
۱۹	کلام مجسم کے کام
۲۰	کلمۃ اللہ کے کام اور کائنات کی گواہی۔
۲۱	گذشتہ دلائل کا خلاصہ
۲۲	مسیح نے کس لئے موت اختیار کی
۲۳	مسیح نے کس لئے اوروں کے ہاتھ سے مرنا منظور کیا؟
۲۴	مسیح نے علانیہ موت کیوں گوارا کی
۲۵	کس وجہ سے مسیح نے اپنی موت کا طریق آپ نہ تجویز کیا۔
۲۶	کس وجہ سے مسیح صلیب پر مرا۔
۲۷	مسیح کس لیے تیسرے روز مردوں میں سے جی اُٹھا۔
۲۸	مسیح کی موت سے موت مغلوب ہوئی۔
۲۹	موت پر مسیح کی فتح
۳۰	صلیب کے نشان اور مسیح کے ایمان کا موت پر غالب آنا۔
۳۱	مسیح کی قدرت اور اس کے کام اس کی قیامت کا ثبوت ہیں۔
۳۲	مسیح کی قیامت کے سبب دیوتاؤں اور شیاطین کا مغلوب ہونا
۳۳	مسیح کی قیامت کا ثبوت اس کی تاثیر سے
۳۴	کلمۃ اللہ کا جسم میں ظاہر ہونا خلاف عقل نہیں۔
۳۵	کلمۃ اللہ کا ظہور کائنات میں اور جسم میں۔
۳۶	کلمۃ اللہ نے جسم انسانی ہی کس لیے اختیار کیا۔
۳۷	خدا نے محض حکم سے انسان کو بحال کیوں نہ کیا۔

۳۸	کلمۃ اللہ نے خُدا کی شناخت کو کمال کے درجے تک پہنچادیا
۳۹	بت پرستی کا زوال۔
۴۰	مسیح کے کام اس کی الوہیت پر شاہد ہیں۔
۴۱	مسیح کے کام بے مثل ہیں۔
۴۲	مسیح کی فضیلت بمقابلہ حکام و حکماء
۴۳	مسیح کی اخلاقی قوت
۴۴	مسیح کی آسمانی تعلیم اطمینان بخشتی ہے۔
۴۵	مسیح کی الوہیت اس کے عظیم الشان کاموں سے ظاہر ہوئی۔
۴۶	مسیح کے کاموں کی حقیقت اور عظمت
۴۷	گذشتہ دلائل کا خلاصہ
۴۸	خاتمہ۔ پاک نوشتوں میں ڈھونڈو
۴۹	خاتمہ۔ مقدسوں کی پیروی کرو۔

اثنا سیس کا احوال

اس رسالے کے مصنّف یعنی مقدّس اثنا سیس مسیحی کلیسیا کے سب سے عظیم القدر ارکانِ دین میں سے ہیں اور یہ خاص کر اِس لئے مشہور ہیں کہ جو بدعت اَرایس کے نام سے مشہور ہے جس سے مسیح کی اُلوہیّت کا انکار متصور تھا **اُس کار دانہوں نے اپنی تصنیفات (لکھی ہوئی کُتب میں) اور نیز اپنے انتظامی عمل در آمد دونوں طرح سے کیا۔**

یہ بزرگ عارف ۲۹۷ء میں شہر اسکندریہ میں پیدا ہوئے اور ۳۷۳ء میں وہیں انتقال کر گئے۔ اِن کے لڑکپن میں بڑا ظلم واقع ہوا جو شہنشاہ روما مکسیمنیس دارا کی طرف سے ۳۰۳ء تا ۳۱۳ء میں ہوا اور اُسی ظلم میں پطرس اُسقفِ اسکندریہ ۳۱۱ء میں شہید ہوئے۔ ۳۱۸ء میں اثنا سیس ڈیکن کے عہدے پر مامور ہوئے اور شہر اسکندریہ کے اُسقف (پادریوں کا سردار، لارڈ بشپ) اسکندریہ نے اُن کو بیٹے کے طور پر رکھا اور جلد آرچ ڈیکن کے منصب پر پہنچا دیا۔ اِس حیثیّت سے اُسقف کا خاص مددگار ہو کر اثنا سیس کو شہر نیکایا کے مجمع عام میں جانے کا اتفاق ہوا اور وہاں اُنہوں نے آرائی بدعت کی تردید میں اِس قدر علم اور سنجیدگی اور حلیمی روحانی جوش کے ساتھ دکھائی کہ ہر دلعزیز ہو گئے اور ۳۲۶ء میں جب اسکندریہ کے صدر اُسقف کا انتقال ہوا تو صرف اُنیتس (۲۹) برس کی عمر میں اُس کی جگہ اُس بڑے شہر اور بڑے علاقے کے صدر اُسقف ہو گئے۔ تقریباً سات برس تک اُنھوں نے امن اور چین کی حالت میں اپنا کام انجام دیا مگر ۳۳۳ء سے لے کر ارائی بدعتیوں نے اُن کو تکلیف دینی شروع کی اور چونکہ اُن لوگوں کی قیصر کے حضور تک رسائی تھی اِس لئے بارہا اُن کو اسکندریہ نکلوا دیا۔ یہاں تک کہ اُن کی عمر کے باقی چالیس (۴۰) برس کا نصّف حِصہّ جلاوطنی ہی کی حالت میں گرزا اور پانچ دفعہ اُن کو نکل کر بھاگنا پڑا لیکن جب واپس آتے تھے تو اہلِ شہر اپنی طرف سے اُن کو بڑے شوق اور بڑی تعظیم و توقیر (عزت) سے لاتے تھے۔ آخر کار ۳۷۳ء میں ستترّ (۷۷) برس کی عمر وفات پائی۔

مقدّس اثنا سیس نے ارائی بدعتیوں کے خلاف بہت سی کتابیں اور رسالے تصنیف کئے مگر اِس بدعت کے نکلنے سے پہلے اُنھوں نے دو خاص رسالے تصنیف کئے۔ پہلا بنام۔ **تردید غیر اقوام** دوسرا **کلام اللہ کے تجسّم** کے نام سے۔ اور اِس دوسرے رسالے کا ترجمہ ناظرین کی خدمت میں پیش کیا جاتا ہے۔ اِس کے چند ابواب چھوڑے گئے ہیں جو حال کی معلومات سے مواقف نہیں رکھتے۔

فہرست مضامین کو دیکھ کر اس رسالے کا سِلسِلہ دلائل معلوم ہو سکتا ہے۔ چنانچہ دنیا کی پیدائش۔ آدمی کا گناہ۔ کلام اللہ کا تجسُّم۔ اور مسیح کی موت اور قیامت۔ یہ اِس رسالے کے اوّل حِصّے (یعنی باب ۲ تا ۳۲) کے مضامین ہیں۔ اثنا سیس پہلے اُن عقلی اور بدعتی خیالات کو رد کرتے ہیں۔ جو اُس زمانے میں دنیا کی پیدائش کے بارے میں تھے۔ اور دنیا کی پیدائش کا سچّا مسئلہ قائم کرتے ہیں۔ یعنی یہ کہ خُدا بذریعہ اپنے کلام کے دُنیا کو نیستی سے ہستی میں لایا۔ لیکن انسان کو اُس نے ہستی سے بڑھ کر فضیلت بخشی۔ یعنی اُسے اپنی صورت پر پیدا کیا۔ پھر بہشت میں رکھ کر اور شریعت دے کر اُس کو اور بھی قوی (مضبوط، طاقتور) کیا۔ اگر شروع پر قائم رہتا تو اُس کی خوشحالی بھی قائم رہتی اور بغیر موت کے آخر کار آسمانی زندگی میں داخل ہو جاتا۔ لیکن برعکس اُس کے اُس کی نافرمانی کا یہ نتیجہ ٹھہرا کہ اُس پر موت غالب آئے گی اور انتشار (پریشانی) میں مبتلا رہے گا۔ اب انسان نے واقعی نافرمانی کی اور پہلے والدین یعنی آدم و حوّا میں شامل ہونے کے سبب سے کل نسل گنہگار بن گئی۔ بنی آدم کا کلّیتاً (مکمل) گنہگار ہونا دلالت کرتا ہے کہ اوّل ہی گناہ صادر ہوا۔ کیونکہ آدم اور حوّا کے اندر کل نوع بشری موجود تھے اور ان کی سرکشی کے باعث گنہگار بنے اِس لئے

ضرور ہے موت کی سزا ملے ورنہ خُدا کا قول باطل ہوا جاتا۔ لیکن یہ کیا ہی بُرا ہوتا کہ مخلوق کا گناہ خُدا کے مقصد کو توڑ دے۔ گناہ کبھی صرف ایک قرض نہ تھا۔ جو خُدا کی عزّت کا حق تھا اور جو آدم کی توبہ پر معاف ہو سکتا۔ یالائق کفارے سے اگر اِس کا ملنا ممکن ہوتا موقوف ہو جاتا وہ ایک ایسا مرض اور انتشار تھا آدمی کی عین سرشت (عادت) میں داخل ہو گیا۔ موت آدمی کے خمیر میں مل گئی تھی اور ضرور ہوا کہ حیات کے تعلق سے دُور کی جاتی اِس لئے خُدا کا ازلی کلمہ جس نے شروع میں اِنسان کو خُدا کی صورت پر خلق کیا تھا نیچے اُترا اور آدمی بن کر موت کے قانون کو پورا کر دیا مگر خُدائی کی حیثیّت میں اِس نے انسانی سرشت کے اندر اُس انتشار کا علاج داخل کر دیا اور اپنی قیامت سے ابدی زندگی کا وعدہ بخشا۔

پس اِس حصّے کی تمام دلائل کی بُنیاد اِس پر ہے کہ کل نوع بشر ایک شے ہے اور کلام اللہ کے تجسّم کے سبب سے مسیح کے ساتھ وابستہ ہو گئی ہے۔

پس کفّارے کی بابت جو اِس رسالے میں ذکر ہے اِس کا مدار اسی پر ہے کہ مسیح اور اُس کے مومنوں میں ایسا توسل (وسیلہ) ہے کہ دونوں ایک ہی جسم سمجھے جاتے ہیں اور اِس لئے جو کچھ مسیح نے کیا اور سہا اس کا فائدہ اور اثر سبھی کو پہنچتا ہے چنانچہ پولُس رسول کی اِصطلاح کے بموجب اثناسیس بھی کہتے ہیں کہ مسیح کے ایماندار لوگ اُس میں ہیں۔ تجسّم کی ضرورت کی بابت اثناسیس کی یہ تعلیم ہے کہ خُدا باپ اور کسی چیز کا مجبور نہیں سوا اپنی محبّت کے۔ اِس سبب سے آدم زاد کی گری ہوئی حالت کو نہ دیکھ سکا بلکہ اس کے علاج کے لئے اپنے ازلی کلام میں مجسّم ہوا اور اِس لئے انسان خُدا کی صورت پر اور اس کی رفاقت کی قابلیت کے ساتھ پیدا ہوا تھا۔ اثناسیس کہتے ہیں کہ کلام اللہ انسان بنا تاکہ ہم خُدا بنیں۔ یعنی خُدا کی خُوبیوں کا عکس ہم میں پُورے طور سے چمکے۔

دوسرا حِصّہ اِس رسالے کا وہ ہے جو یہودیوں اور غیر قوموں کی تردید میں لکھا گیا مگر یہودیوں کی تردید میں جو آٹھ باب ہیں وہ اِس لئے چھوڑ دئے گئے کہ ایک تو اثناسیس پُرانے عہد نامے کو صرف یُونانی بپتسمے کی شکل میں دیکھتے تھے اور اس کی چند ایسی تاویلیں کرتے تھے جو عبرانی متن کے صحیح معنی کے مطابق نہیں۔ دوسرے یہ کہ یہودیوں سے ہمارا واسطہ اِس ملک میں بہت کم پڑتا ہے باقی غیر قوموں کی تردید میں پندرہ (۱۵) باب ہیں اور اُن میں اثناسیس پہلے فلسفیانہ دلیلوں سے اور بعد ازآں حال کے واقعات سے ثبوت دیتے ہیں۔ واضح ہو کہ اثناسیس افلاطونی فلسفہ کا مسئلہ مانتے تھے کہ مجموعہ مخلوقات ایک جسم ہے جس کی رُوح خود خُدا ہے۔ اِسی بنا پر یہ دلیل وہ پیش کرتے ہیں کہ جو شے کل موجودات میں موجود ہو کر سب کی زندگی اور ترتیب انتظام کا موجب ہے اس کا ایک انسانی جسم میں جو سب مخلوقات میں افضل و اعلےٰ چیز ہے ظاہر ہونا قیاس سے کچھ بعید نہیں۔ یہ کلام اللہ۔ یا ابن اللہ وہی ہے جو سب چیزوں کی ہستی اور زندگی کا سبب ہے۔ تاہم بذاتہ مخلوقات سے علیٰحدہ اور ممتاز اور صرف باپ کے ساتھ ایک ہے۔ اُس کی قدرت اور فوقیت اِس سے ثابت ہے کہ اُس کی حضوری میں بدی کی ہر صورت کو شکست ہوتی ہے۔ اور اُس کا مذہب دنیا بھر میں پھیل رہا ہے۔ اور یہ فتح اِس کی موت اور قیامت سے وقوع میں آئی۔

آخری دو بابوں میں اثناسیس مگاریُس نام مسیحی بھائی کو جس کے لئے اُنھوں نے یہ رسالہ لکھا یہ نصیحت کرتے ہیں کہ اِن باتوں کی تحقیقات کے لئے سب سے ضروری یہ ہے کہ آدمی پاک نوشتوں میں ڈھونڈے اور مقدسّوں کے چال چلن کی پیروی کرے۔

مصنّف کی دلیلوں میں ایک دلیل ہے جو کسی قدر یُونانی لفظ کی شکل پر مبنی ہے اِس لئے کا ترجمہ کرنا کسی قدر مشکل ہے یُونانی میں لفظ ''الاگاس''کلام کے بھی معنی رکھتا ہے اور عقل کے بھی۔ اب اثناسیس کی یہ رائے ہے کہ گناہ نے آدمی کے ذہن کو بھی بگاڑ دیا اور اُسے نامعقول یا الاگاس گو یا غیر ناظق یا حیوان مطلق بنا

دیا۔اِس قباحت کا علاج کلام کے تجسّم سے ہوا جس سے انسان پھر لاگاس یعنی ناطق یا ذوی العقل بن گیا۔اِس صنعت لفظی کے ادا کرنے کے لئے ہم نے ناطق کا لفظ استعمال کیا جس سے کلام کرنے والا اور ذوی العقل دونوں مراد ہے۔

یہ رسالہ فی زمانہ مسیحیوں اور غیر مسیحیوں دونوں کے لئے دلچسپی رکھتا ہے چنانچہ مسیحی اِس سے معلوم کر سکتے ہیں کہ جس زمانے میں کلیسیا دنیوی حاکموں کے ظلم اور جھوٹے استادوں کی بدعت دونوں کی طرف سے جنگ وجدل میں مبتلا تھی اُس میں خُدا نے کیسے کیسے بزرگوں اُٹھا کھڑا کیا جنہوں نے علم اور جان نثاری دونوں طرح سے دین کی حمایت کی۔ علاوہ اِس کے مسیحیوں اور غیر مسیحیوں پر واضح ہوا ہے کہ بحث اب مسیحی دین اور دنیا کے دیگر مذاہب میں ہو رہی ہے اِس کی اصلیّت سولہ سو(۱۶۰۰) برس ہوئے وُہی تھی مثلاً پیدایش دنیا کے جن مسائل کی تردید اثناسیس اِس رسالے میں کرتے ہیں کی دنیا یا تو خود بخود پیدا ہو گئی یا موجودہ مادے سے بنائی گئی۔ یہ دونوں خیال ہنُود(ہندو کی جمع) کے شاستروں(ہندو مذہب کی کتاب) میں موجود ہیں۔ یا اہلِ اسلام کی طرف سے جو دعویٰ ہے کہ گناہ کی معافی کے لئے اللہ تعالیٰ توبہ کو کافی دوافی سمجھتا ہے اسی کا جواب اِس کے ساتویں باب میں لکھا ہے۔ پھر مرزا قادیانی صاحب جو کہتے ہیں کہ مسیح کا صلیب پر مرنا اور مردوں میں سے جی اُٹھنا ہمارے زمانے کی سب سے بھاری غلطی ہے یہی اعتراض تین سو(۳۰۰) برس بعد از مسیح کیا جاتا تھا اور اثناسیس نے اِس کی تردید کی اور یہ بات بھی دلچسپی سے خالی نہیں کہ یہ رسالہ جس کا اثر اُس زمانے میں بہت بڑا تھا انجیل اور رسولوں کے اعمال کی طرح پہلے پہل ایک خاص شخص کے لئے تصنیف ہوا۔

اِس کا ترجمہ پادری ایس اے سی گھوس بی اے ایس پی جی مشن دہلی نے کیا اور نظر ثانی پادری ایچ یو وایٹ بریٹ صاحب ڈی ڈی سی ایم ایس نے کی۔

کلام اللہ کے تجسّم کے بیان میں

(۱) دیباچہ

پہلے رسالہ میں ہم ذیل کے امور پر بحث کر چکے ہیں۔ غیر قوموں کا بُتوں کی پرستش کرنا ایک غلطی ہے۔ اُنہوں نے اپنے توہمات سے بُت پرستی ایجاد کر لی ہے۔ بنی آدم نے اپنی گنہگاری کے سبب اپنے واسطے بُت ایجاد کئے اور اُن کو پوجنے لگے۔

خُدا کے فضل سے ہم اِس بات کا بیان بھی کر چکے ہیں کہ باپ کا کلام الوہیت کا درجہ رکھتا ہے کہ وہ کل مخلوقات کا منتظم اور سب پر قادر ہے کہ خُدا باپ اُس کے وسیلہ سے کل اشیاء کو ترتیب بخشتا ہے کلمہ ہر شے کا متحرک اور کل حیات کا سرچشمہ ہے۔

اب اے۔ مکاریُس تو جو مسیح کا سچّا عاشق ہے ہم اپنے مذہب گی پہچان میں ترقی کریں۔ اور کلمہ کے تجسّم اور الٰہی ظہور کا بیان شروع کریں۔ یہودی تو اِس تجسّم اور ظہور کو بُرا کہتے ہیں اور یُونانی اِس پر تمسخر کرتے ہیں۔ لیکن ہم اس کی کمال تعظیم اور عزت کرتے ہیں۔ اے مکاریُس جب تو کلمہ عجز و فروتنی کو دیکھے گا تو زیادہ سنجیدگی سے اُس کی پرستش کرے گا۔

کیونکہ جو لوگ اُس پر ایمان نہیں لائے وہ جِس قدر اس تمسخر کرتے ہیں۔ اُسی قدر وہ اپنی الوہیت کی زیادہ مضبوط شہادت دیتا ہے۔ جِن باتوں کو بنی آدم اپنی غلط فہمی سے ناممکن سمجھتے ہیں اُن کو وہ صریحاً (ظاہراً، صاف) ممکن کر دکھاتا ہے۔ جن باتوں پر بنی آدم نازیبا سمجھ کر ہنستے ہیں اُن کو وہ اپنی خوبی سے زیبایش بخشتا ہے اور جِن چیزوں پر بنی آدم کی عقل ٹھٹھا کرتی ہے یہ سمجھ کر کہ وہ بشری ہیں اُن کو وہ خاص اپنی قدرت سے صریحاً الٰہی ثابت کر دیتا ہے۔ اپنی صلیب سے اُس نے بُتوں کے جھوٹے دعوے کو درہم برہم کر دیا اور ٹھٹھا کرنے والوں اور بے ایمانوں پر پوشیدہ اثر کر کے اپنی قوت اور الوہیّت کا قائل کر دیا۔

اِس امر کے بیاں کرنے میں ایک بات کا یاد رکھنا مناسب ہے۔ وہ یہ ہے کہ باپ کا عظیم الشان اور بلند کلام مُجسّم ہونے پر مجبور تھا بلکہ اپنی ذات سے غیر متجسّد کلمۃ اللہ ہونے کے باوجود وہ اپنے باپ کی شفقت اور رحمت کے سبب سے ہماری نجات کے لیے وہ جسم میں ہم پر ظاہر ہوا۔

پس اِس مضمون کے بیاں کرنے میں مناسب ہے کہ ہم جہان کی پیدایش اور جہان کے صانع (خالق، کاریگر) یعنی خُدا کے ذکر سے آغاز کریں۔ تاکہ ہمیں مناسب طور پر معلوم ہو جائے کی جہان کی نئی پیدایش اِسی کلمہ کے وسیلہ سے ہوئی جِس نے ابتدا میں اِسے خلق کیا تھا کیونکہ یہ بات قیاس (سوچ بچار) سے بعید (دور) نہیں کہ جِس کے وسیلہ سے باپ نے دُنیا (کو خلق) کیا تھا۔ اُسی کے وسیلہ سے وہ دُنیا کے چھٹکارے کا انتظام بھی کرے۔

(۲)دُنیا کی پیدایش کے غلط خیالات کی تردید

جہان کی خلقت اور کل اشیاء کی پیدایش کی نسبت مختلف لوگوں نے مختلف خیالات باندھے ہیں اور جیسا کسی نے چاہا ویسا اُس نے فیصلہ کیا۔

بعض کہتے ہیں کہ کل اشیاء اپنے آپ اتفاقیہ طور پر موجود ہو گئیں۔ چنانچہ اپی کیوریس فیلسوف ناحق کہتے ہیں کہ جہاں پر کوئی منتظم نہیں ہے۔ ان کا یہ قول امور واقعی کے بالکل اور صریحاً خلاف ہے۔ دلیل اس کی یہ ہے کہ اگر سب اشیاء اپنے آپ بغیر کسی منتظم کی قدرت کے موجود ہو جاتیں تو بے شک ان کو وجود تو حاصل ہوتا لیکن وہ سب یکساں ہوتیں اور ایک شے دوسری سے کوئی فرق نہ رکھتی۔ کل جہان آفتاب یا مہتاب ہوتا۔ انسان کا جسم یا تو تمام ایک ہاتھ ہوتا یا آنکھ یا پیر۔ لیکن ہم یہ معاملہ نہیں دیکھتے۔ بلکہ آفتاب و ماہتاب میں فرق ہے۔ زمین ان دونوں سے فرق رکھتی ہے۔ انسانی جسم میں پاؤں علیحدہ ہے ہاتھ علیحدہ اور سر علیحدہ۔ ایسے صاف اور صریح انتظام سے ثابت ہوتا ہے کہ کل اشیاء آپ سے آپ موجود نہیں ہو گئیں بلکہ ان کا کوئی مُسبّب (سبب پیدا کرنے والا) تھا۔ اس مرتب دُنیا کو دیکھ کر ہم اس خُدا کو پہچانتے ہیں جو اس کا خالق اور مرتب ہے۔ پھر اوروں نے جن میں افلاطون یونانیوں کا سب سے بڑا فیلسوف شامل ہے یوں کہا ہے کہ

"خُدا نے دُنیا کو خلق نہیں کیا بلکہ قدیم اور غیر مخلوق مادے میں سے ترتیب دے کر بنایا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ نیستی میں سے ہستی مستخرج نہیں ہو سکتی۔ اگر مادہ پہلے سے موجود نہ ہوتا تو خُدا کس چیز میں سے دُنیا کو بناتا۔ اگر لکڑی موجود نہ ہو تو بڑھئی کچھ بنا نہیں سکتا"۔

لیکن وہ نہیں جانتے کہ ایسا خیال باندھنے سے وہ کمزوری کو خُدا کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ کیونکہ اگر وہ مادہ کا جسے ہم دیکھتے ہیں خالق نہیں بلکہ پیشتر سے موجود مادہ کا محتاج ہے تو ثابت ہوا کہ وہ کمزور ہے۔ اس میں قدرت نہیں کہ بغیر سامان کے کسی شے کو بنا سکے۔ بڑھئی جو بغیر لکڑی کے اپنا کام نہیں کر سکتا۔ صریحاً کمزور ہے۔ چنانچہ اس خیال کے مطابق اگر مادہ نہ ہوتا تو خُدا کسی شے کو نہ بنا سکتا۔ پس ہم اُسے خالق اور صانع کیوں کر کہیں جب کہ وہ مادہ کا گویا قرض دار ہے۔ اگر یہی حالت ہے تو خُدا پیدا کرنے والا خالق نہیں بلکہ صرف ایک کاریگر ہے۔ کیونکہ وہ مادّہ کا خالق نہیں بلکہ صرف مادّہ کو لے کر اُس میں سے مختلف اشیاء بنا سکتا ہے۔ اِس حالت میں اُسے خالق کہنا ناجائز ہے۔ کیونکہ اُس نے وہ مادّہ خلق نہیں کیا۔ جِس میں سے ساری چیزیں بنیں۔

پھر بعض بدعتی یعنی گنوسٹک فرقے والے کہتے ہیں کہ دُنیا کا صانع ہمارے خُداوند یسوع مسیح کا باپ نہیں۔ بلکہ کوئی اور خُدا ہے۔ اِن الفاظ کے استعمال سے یہ لوگ اپنی جہالت ظاہر کرتے ہیں۔ کیونکہ خُداوند یہودیوں سے فرماتا ہے "کیا تم نے نہیں پڑھا کہ جِس نے اُنہیں بنایا اُس نے ابتدا ہی سے اُنہیں مرد و عورت بنا کر کہا کہ اِس سبب سے مرد باپ سے اور ماں سے جُدا ہو کر اپنی بیوی کے ساتھ رہے گا اور وہ دونوں ایک جِسم ہوں گے"۔ پھر وہ خالق کی طرف اشارہ کر کے فرماتا ہے۔ "پس جِسے خُدا نے جوڑا ہے اُسے انسان جُدا نہ کرے" (متّی ۱۹: ۴)۔

اِن الفاظ کی موجودگی میں کون کہہ سکتا ہے کہ دُنیا کا خالق باپ سے علیحدہ کوئی اور خُدا ہے اور جس حال میں کہ یوحنّا تمام اشیاء کو شامل کر کے کہتا ہے کہ ''ساری چیزیں اُس کے وسیلہ سے پیدا ہوئیں اور جو کچھ پیدا ہوا ہے اُس میں کوئی چیز بھی اُس کے بغیر پیدا نہیں ہوئی''(یوحنّا ۱:۳) تو کیوں کر ممکن ہے کہ دُنیا کا صانع مسیح کے باپ کے سوا اور کوئی ہو۔

(۳)دُنیا کی پیدایش کی سچّی تعلیم

اُن لوگوں کی جو بطلان کی پیروی کرتے ہیں ایسی بکواس ہے۔ لیکن دین داری کی تعلیم اور مسیحی ایمان ایسے بیہودہ خیالات کو بے دینی بتاتا ہے کیونکہ دُنیا اتفاقیہ طور پر موجود نہیں ہوگئی۔ یہ اِس انتظام سے ثابت ہوتا ہے جس کو ہم بکثرت اپنے چاروں طرف دیکھتے ہیں۔ دُنیا پہلے سے موجود مادّہ میں سے نہیں بنائی گئی۔ کیونکہ خُدا کمزور نہیں ہے بلکہ محض نیستی سے خُدا نے اپنے کلام کے وسیلہ سے دُنیا کو ہست کیا ہے۔ اِس کی اُس نے خود موسیٰ کی معرفت خبر دی ہے۔ ''ابتدا میں خُدا نے آسمان اور زمین کو پیدا کیا''(پیدایش ۱:۱)۔

یہی خبر اُس نے ''پاسبان'' کی نہایت مفید کتاب میں بھی دی ہے ''سب سے اوّل ایمان لا کہ خُدا ایک ہے جس نے تمام اشیاء کو خلق اور مرتب کیا اور نیستی سے نکالا''۔ مقدّس پولُس بھی یہی کہتا ہے۔ ''ایمان ہی کے سبب سے ہم معلوم کرتے ہیں کہ عالم خُدا کے کہنے سے بنے ہیں۔ یہ نہیں کہ جو کچھ نظر آتا ہے ظاہری چیزوں سے بنا ہو''(عبرانیوں ۱۱:۳)۔

کیونکہ خُدا نیک ہے بلکہ نیکی کا سرچشمہ۔ ممکن نہیں کہ جو نیک ہے وہ کسی کے ساتھ بخیلانہ برتاؤ کرے۔ پس اُس نے اپنی سخاوت سے ہر شے کو ہستی کی بخشش عنایت کی ہے اور یوں سب اشیاء کو بوسیلہ اپنے کلمہ یعنی ہمارے خُداوند یسوع مسیح کے نیستی سے نکالا ہے اور مخلوقات میں سے بنی آدم پر زیادہ رحم کیا ہے، کیونکہ جب اُس نے دیکھا کہ بنی آدم اپنی قوّت سے ہمیشہ قائم نہیں رہ سکتے تو اُن کو ایک ایسا فضل بھی بخشا جو اور اشیاء کو نہ بخشا تھا۔ اُس نے انسان کو غیر ذی عقل مخلوقات کی مانند محض پیدا ہی نہ کیا بلکہ اُس کو خاص اپنی صورت پر پیدا کیا یعنی اُس کو اپنے کلمہ کی قدرت کا ایک حصّہ بخشا۔ تاکہ اُس میں کلمۃ اللہ یا عقل الٰہی کا عکس پایا جائے۔ پس انسان معقول بنایا گیا ہے۔ اِس وجہ سے وہ خوشی کی حالت میں قائم رہ سکتا ہے۔ اُس میں قابلیّت ہے کہ حقیقی اور سچّی زندگی بسر کرے۔ ایسی زندگی جیسی کہ معدّین جنت میں بسر کرتے ہیں۔

علاوہ اِس کے خُدا کو معلوم تھا کہ مشیت (خواہش) بشری دو راستوں پر چل سکتی ہے خواہ نیکی کی پیروی کرے خواہ بدی کا راستہ پکڑے۔ پس اُس نے اپنی الٰہی پیش بینی سے اِس فضل کو جو انسان کو بخشا گیا تھا مضبوط کیا۔ یعنی بنی آدم کے لئے ایک قانون اور ایک محل مقرر کیا۔ اُس نے اُن کو جنّت میں جگہ دی اور اُن کو ایک قانون کے تحت میں رکھا تاکہ اگر اِس فضل کو جو اُن کو دیا گیا تھا تھامے رہیں اور نیکی کی حالت کو ہاتھ سے نہ جانے دیں تو جنّت میں ان کو ایسی زندگی نصیب ہو جس میں رنج والم درد اور تفکرات (فکر، اندیشہ، سوچ بچار) کا داغ نہ ہو۔ اور ساتھ ہی اُس کے یہ وعدہ بھی بخشا کہ تم کو آسمان میں جگہ ملے گی جہاں موت اور انتشار تم پر غلبہ نہ پائیں گے لیکن اُن کو ایک ڈر بھی دکھایا اور کہا کہ اگر تم بغاوت کر کے راہِ راست سے انحراف کرو گے اور نیکی کو چھوڑ کر بد ہو جاؤ گے تو یاد رکھو کہ موت کا انتشار تم پر

غالب آئے گا۔ کیونکہ موت تو تمہاری فطرت کا حِصّہ ہے۔ تم جنّت میں رہ نہ سکو گے بلکہ اِس سے باہر کر دئے جاؤ گے۔ اور جب اس دار غیر فانی سے باہر ہو گئے تو موت اور انتشار کے پنجے میں پھنسے رہو گے۔

خُدا کی کتاب اِسی بات کی خبر دیتی ہے۔ خُدا خود فرماتا ہے کہ ''تو باغ کے ہر درخت کا پھل کھایا کر۔ لیکن نیک و بد کی پہچان کے درخت سے نہ کھانا۔ کیونکہ جِس دِن تو اِس سے کھائے گا تو ضرور مرے گا (پیدایش ۲: ۱۶۔۱۷)۔

(۴) انسان کا گناہ میں مبتلا ہونا

مضمون تو ہمارا یہ تھا کہ کلمۃ اللہ کے تجسّم کا بیان کریں لیکن بیان ہم نے یہ کیا کہ بنی آدم کا آغاز کس طور پر ہوا۔ تم تعجب کرتے ہو گے کہ ان دو مضامین تعلق کیا ہے۔ فی الحقیقت یہ مضامین آپس میں ایک بڑا نزدیکی رشتہ رکھتے ہیں۔ جب نجات دہندہ ظہور کا ذکر کیا جاتا ہے تو ضرور ہے کہ نوع انسانی کے آغاز کی طرف بھی توجہ کی جائے۔ کیونکہ ہماری حالت کو دیکھ کر وہ نیچے اُترا۔ ہمارے گناہ نے کلمۃ اللہ کی محبّت کو کھینچا ایسا کہ وہ ہمارے پاس جلد آیا اور خُداوند بنی آدم کے درمیان ظاہر ہوا۔

ہمارے باعث سے وہ مُجسّم ہوا ہماری نجات کے لئے اُس نے ایسی محبّت دکھائی کہ اِس دُنیا میں آکر پیدا ہوا اور ایک جِسم بشری میں نمودار ہوا۔ خُدا نے انسان کو پیدا کیا اور چاہا کہ وہ غیر فانی رہے۔ لیکن انسان نے خُدا کا دھیان اور تصّور بالکل اپنے دِل سے بُھلا دیا اور اُس کا مطلق (بالکل) خیال نہ رکھا بلکہ اپنے واسطے بدی کی صورت پیدا کر کے (جِس کا بیان پہلے رسالہ میں ہو چُکا ہے) موت کی اُس سزا میں گرفتار ہوا جِس کا ڈر خالق نے اُسے پہلے ہی سے دکھلا دیا تھا۔ بعد ازاں اُس کی بُری حالت ہوئی۔ جیسا وہ بنایا گیا تھا ویسا نہ رہا۔ اپنی حکمت اور بندش کے پھندے میں پھنس کر وہ بالکل بگڑ گیا اور موت نے اُن پر بادشاہی کی (رومیوں ۱: ۲۱۔۲۲؛ ۵: ۱۴۔۲۱)۔

حُکم کے عدول نے انسان کے رُخ کو اُس کی اصلی اور ابتدائی فطرت کی طرف راجع (رجوع کرنے والا) کیا۔ خالق نے اُس کو نیستی سے ہست کیا تھا لیکن گناہ کا یہ نتیجہ ہوا کہ اُس نے پھر نیستی کا رستہ لیا کلمۃ اللہ اپنی محبّت اور رحمت سے ان کو عدم (نیستی) سے وجود میں لایا تھا۔ لیکن اُنہوں نے خُدا کی پہچان کو ترک کر دیا اور عدم کی طرف راجع ہوئے (کیونکہ گناہ اور عدم برابر ہیں اور نیکی اور وجود برابر) اُن کے گناہ کا یہی ضروری نتیجہ تھا کہ وہ معدوم (ناپید) کر دئے جائیں۔ اُس خُدا نے جو ہستی کا سرچشمہ ہے اُن کو وجود بخشا تھا۔ پس اُن کے گناہ کے سبب اُن کو یہ سزا دے گئی کہ وہ ہمیشہ کے لئے ہستی سے محروم عدم کے قبضہ میں رہیں۔ یعنی یہ کہ ہلاک ہو کر ہمیشہ موت اور بگاڑ کے تحت میں رہیں۔

کیونکہ آدمی اپنی فطرت سے فانی ہے کیونکہ وہ ہستی سے ہست ہوا ہے لیکن چونکہ وہ خُدا حی القیوم کے ساتھ مشابہ کیا گیا ہے۔ اِس لئے اُس کے لئے ممکن ہے کہ اِس ہلاکت کے قبضہ سے بچا رہے جو کہ فطرت سے اُس کا حِصّہ ہے۔ بشرطیکہ اپنے خالق کی ذات کو بالاستقلال اپنے تصور میں رکھے۔ چنانچہ کتاب حکمت کہتی ہے ''کہ اُس کے قوانین کو محفوظ رکھنا بقا کو قائم کرتا ہے'' (حکمت ۶: ۱۸)۔

پس فنا سے چھوٹ کر وہ خُدا کی طرح بن جاتا۔ خُدا کی کتاب بھی کسی جگہ پر یہی کہتی ہے ''میں نے تو کہا کہ تم اِلٰہ ہو اور تم سب حق تعالیٰ کے فرزند ہو۔ پر تم بشر کی طرح مرو گے اور شاہزادوں میں سے ایک کی مانند گر جاؤ گے''(زبور ۸۲:۶)۔

(۵) گناہ میں پڑنے کے بعد انسان کی بُری حالت

خُدا نے ہم کو عدم کی حالت سے نِکال کر فقط وجود ہی نہیں بخشا بلکہ اپنے کلمہ کے فضل کی وساطت سے ہم کو ایسی حیات بھی بخشی ہے جو حیات الٰہی کے ساتھ مشابہت رکھتی ہے۔ لیکن بنی آدم جب اشیاء غیر فانی کو چھوڑ بیٹھے اور شیطان کو اپنا مشیر بنا کر اُن چیزوں کی طرف راجع ہوئے جو فانی ہیں۔ اُس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ خود اپنی ہلاکت کے باعث بنے۔ پہلے ہی وہ اپنی فطرت سے فانی تھے، لیکن کلمہ اللہ کی روحانی شراکت نے اُن کو اِس لایق کر دیا تھا کہ اگر عصمت کو تھامے رہیں تو اپنی فطرت کے نتائج سے بھی بچے رہیں۔

کیونکہ جب تک کلمہ اللہ انسانوں کے ساتھ تھا تو وہ ہلاکت جو اُن کی اپنی فطرت کا جزو تھی اُن کے نزدیک نہ آسکتی تھی۔ کتاب حکمت یوں کہتی ہے ''خُدا نے انسان کو بقا کے لئے خلق کیا۔ اُس نے اُسے اپنی بقا کا نمونہ بنایا لیکن شیطان کے حسد کے باعث موت دُنیا میں داخل ہوئی''(حکمت ۲:۲۳۔۲۴)۔ پس جب ایسا ہوا تو بنی آدم مرنے لگے۔ ابتری نے ان میں زور پکڑ کر کل نسل پر جتنا چاہئے تھا اس سے زیادہ غلبہ کیا۔ جب اُنہوں نے حکم کو عدول کیا تو جو دھمکی خالق نے اُن کو دی تھی اُس کا جاری ہونا لازم آیا۔ گویا اِس دھمکی کے باعث موت اُن پر زبردست ہو گئی۔

پھر آدمی نے فقط ایک یا تھوڑا گناہ نہیں کیا بلکہ اُس بے تمام احاطوں اور شرائط کو توڑ دیا اور رفتہ رفتہ ایسا بگڑ گیا اُس کی خطا کی کچھ حد نہ رہی۔ اوّل تو اُنہوں نے شرارت کو ایجاد ہی کیا پھر موت اور بگاڑ کو اپنے اوپر غالب کر لیا۔ لیکن بعد میں بے دینی اور بے شرعی کی طرف ایسے رُجوع ہوئے کہ پھر انہیں کسی گناہ سے پرہیز نہ رہا۔ وہ ہر روز اپنے لئے نئے نئے گناہ ایجاد کرنے لگے اور گناہ کی حرص اُن میں ایسی بڑھی کہ کسی طرح اُن کی تسلّی نہ ہوتی تھی۔ ہر جگہ زنا اور چوری کا چرچہ پھیلا اور کل زمین قتل اور رہزنی (لوٹ مار) سے بھر گئی۔ ظلم اور بگاڑ نے ایسا زور پکڑا کہ شرع اور قانون کا ذکر بھی اُڑ گیا۔ تنہائی اور مجلسوں میں گناہ ہی گناہ ہونے لگا۔ شہر پر شہر نے چڑھائی کی۔ قوم کے خلاف قوم اُٹھی اور کل زمین سازشوں اور لڑائیوں سے درہم برہم ہو گئی۔ کوئی اپنے گناہ پر قناعت نہ کرتا تھا، بلکہ ہر شخص کی کوشش تھی کہ اپنے ہمسائے پر بے شرعی میں سبقت لے جائے۔

اِس سے بڑھ کر ایسے گناہ جو خلاف وضع فطری تھے اُن میں پائے جائے تھے جیسا کہ مسیح کا شہید رسُول کہتا ہے ''یہاں تک کہ اُن کی عورتوں نے اپنے طبعی کام کو خلاف طبع کام سے بدل ڈالا۔ اِسی طرح مرد بھی عورتوں سے طبعی کام چھوڑ کر آپس کی شہوت سے مست ہو گئے۔ یعنی مردوں نے مردوں کے ساتھ روسیاہی کے کام کر کے اپنے آپ میں اپنی گمراہی کے لائق بدلہ پایا''(رومیوں ۱:۲۶۔۲۷)۔

(۶)انسان کے گرنے کے علاج کی ضرورت

پس انہی وجوہات کے باعث موت روز بروز بنی آدم پر زیادہ مسلّط ہوتی جاتی تھی۔ بگاڑ ان کا دامن گیر تھا۔ نسل انسان تباہ ہو رہی تھی۔ انسان جو کلمۃ اللہ یا عقل الٰہی سے معقول تھا اور خُدا کی صورت پر بنایا گیا تھا معدوم ہوتا جاتا تھا۔ خُدا کا کیا ہوا کام ضائع ہو رہا تھا۔ کیونکہ جیسا ہم پہلے کہہ چکے ہیں۔ انسانیت کا یہ قانون ہو گیا کہ موت اس پر غالب آئے کیونکہ انسان کی خطا کے باعث خُدا نے یہ قانون ٹھہرایا تھا اور جو کچھ زمین پر ہو رہا تھا وہ فی الحقیقت مکروہ اور نامناسب تھا۔ (گلتیوں ۳:۱۹)۔

کیا ممکن تھا کہ خُدا کا قول جھوٹا ہو جائے۔ اُس نے فرمادیا تھا کہ اگر انسان گناہ کرے گا اور اب جو گناہ کر چُکا تو کیا زندہ رہ سکتا تھا؟ اگر ایسا ہوتا تو خالق کا قول باطل ثابت ہوتا۔

علاوہ بریں یہ بھی نامناسب تھا کہ وہ مخلوق جو ناطق یعنی نطق اللہ یا کلمۃ اللہ کے متعلق بنائے گئے تھے ہلاک ہو یا پیچھے کو ایسے پلٹے کہ بگاڑ کے باعث معدوم ہی ہو جائے یہ امر خُدا کی نیکی سے بعید تھا کہ اُس کی مخلوق بالکل برباد ہو جائے اور شیطان کا فریب ایسا غالب ہو کہ خُدا کی کاریگری یعنی انسان اپنی غفلت یا شیاطین کے فریب سے معدوم ہو جائے۔

پس چونکہ ذی عقل مخلوق برباد ہو رہی تھی اور انسان جیسی عالیشان صنعت ہلاک ہو رہی تھی۔ ایسی حالت میں خُدا جو نیک ہے کیا کرتا۔ کیا وہ اِس امر کی اجازت دیتا کہ فنا اُن پر غالب رہے اور موت اپنا قبضہ اُن پر قائم رکھے؟ اگر خُدا کی طرف سے اِس اجازت کا ملنا ممکن سمجھا جائے۔ تو یہ سوال لازم آئے گا کہ شروع میں اُس نے اُن کو خلق ہی کس لئے کیا تھا۔ یعنی ان نہ کو بنانا اِس سے بہتر تھا کہ بنانے کے اُن کا خالق اُن سے غافل ہو جائے اور اُن کو مرنے دے۔

غفلت سے کمزوری ثابت ہوتی ہے۔ خُدا نیک ہے اور اپنی مخلوق کی طرف سے غافل نہیں ہو سکتا۔ اگر وہ غافل ہو جائے تو وہ کمزور ثابت ہو گا۔ بنی آدم کے نہ پیدا کرنے میں کسی کمزوری کا اظہار نہ پایا جاتا۔ لیکن پیدا کر کے اپنی مخلوق کو موت کے حوالہ کر دینا صریحاً نامناسب تھا۔

پس ناممکن تھا کہ فنا انسان کو اپنے تحت میں رکھے۔ اگر خُدا اُس کو ایسی حالت میں چھوڑ دیتا تو یہ اُس کی خُدائی نیکی کے عین خلاف ہوتا۔

(۷)فقط گناہ سے توبہ کرنا انسان کی بُری حالت کا کافی علاج نہ تھا

لیکن ساتھ ہی اِس کے یہ ضرور تھا کہ خُدا اپنے قانون کو پورا کرے اُس کی خصلت سچّی ہے اور مناسب تھا کہ موت کی سزا جس کی دھمکی انسان کو دکھلائی گئی تھی پوری کی جائے۔ کیونکہ انسان نے جب گناہ کیا تو کیا ممکن تھا کہ خُدا گناہ کو سرسری طور سے معاف کر کے ہمارے فائدہ اور سلامتی کی خاطر اپنے تئیں جھوٹا بنائے۔

پس اِس حالت میں خالق کیا کر سکتا تھا۔ کیا وہ انسان سے کہتا کہ اپنے گناہ سے توبہ کر۔ بعض کا خیال ہے کہ خالق کو یہی کرنا چاہئے تھا، تاکہ جِس طرح بنی آدم گناہ کے باعث فنا کے تحت میں آ گئے تھے اِسی طرح توبہ کے وسیلے سے دوبارہ بقا کی طرح راجع ہو جاتے۔

لیکن توبہ سے انسان کا گناہ معاف نہ ہو سکتا تھا۔ خُدا تو کہہ چُکا تھا کہ اگر تو گناہ کرے گا تو مر جائے گا۔ انسان کی توبہ کی خاطر خالق اس رہانہ کر سکتا تھا۔ باوجود توبہ کے انسان موت کا مطیع رہتا۔ توبہ کا تو فقط یہ نتیجہ ہے کہ وہ انسان کو زیادہ گناہ کرنے سے روک دیتی ہے۔ توبہ میں یہ قدرت نہیں کہ انسان کو کسی ایسے قانون کے تحت سے نکال لے جو اُس کی فطرت کا حِصّہ ہے۔

علاوہ بریں (اس کے سوا، باوجود یہ کہ) یاد رکھنا چاہئے کہ انسان نے صرف ایک خطا نہ کی تھی بلکہ خطا سے بڑھ کر گناہ کیا تھا جِس کے باعث بگاڑ اور ہلاکت میں پڑ گیا تھا۔ خطا کے نتائج سے توبہ کر کے رہا ہو جانا ممکن ہے۔ لیکن گناہ کے نتیجہ سے جو ہلاکت ہے توبہ کسی کو رہا (آزاد) نہیں کر سکتی۔ جب گناہ چل پڑا تو بنی آدم اِس ہلاکت کے دام (جال) میں پھنسے جو اُن کی فطرت میں تھی۔ پس وہ فضل اُن سے چھین لیا گیا جو خُدا کی صورت میں مخلوق ہونے کے طاعث اُن کو دیا گیا تھا۔

پس بنی آدم کس طرح سے اِس ابتدائی فضل کو دوبارہ حاصل کرتے۔ کون سا زور اُن کر اُن کی بُری راہ سے واپس لا سکتا تھا۔ جواب یہ ہے کہ یہ قدرت فقط کلمۃ اللہ میں تھی جَس نے ابتدا میں ہر شے کو عدم میں سے نکال کر وجود بخشا تھا۔

اِس میں قدرت تھی کہ فانی کو بقا بخشے۔ اسی میں قدرت تھی کہ اپنے باپ کی سچّائی کو قائم و ثابت کر دکھلائے کیونکہ وہ باپ کا کلام اور ہر شے سے افضل ہے۔ وہی قادر تھا کہ ہر شے کو دوبارہ از سر نو خلق کرے۔ وہی اِس لائق تھا کہ سب کے واسطے دُکھ سہے اور سب کی طرف سے باپ کے پاس سفیر ہو کر جائے۔

(۸) کلمۃ اللہ کا تجسّم

اِسی مقصد سے کلمۃ اللہ جو اپنی ذات سے غیر متجسد اور غیر فانی غیر مادی تھا ہمارے علاقے میں آیا۔ لیکن یہ نہ سمجھنا چاہیے کہ ہمارے درمیان ظاہر ہونے سے پہلے وہ ہم سے دور تھا۔ مخلوقات کا کوئی حِصّہ ایسا نہیں جو اُس کی حضوری سے خالی ہے۔ وہ ہر جگہ اور ہر شے میں حاضر ہے اور باوجود اس کے بھی اپنے باپ کے ساتھ ہے۔ لیکن وہ مہر و محبّت اور فروتنی کے باعث اپنے آپ کو ہم پر ظاہر کرنے کے لئے ہمارے پاس آیا ہے۔ اُس نے دیکھا کہ ذی عقل نوع انسان ہلاک ہو رہی ہے اور موت سب پر تسلّط کر کے اُن کو فنا کر رہی ہے۔ اُس نے دیکھا کہ خُدا کی دھمکی اِس فنا کے فتویٰ پر گویا مہر کر رہی ہے اور نیز یہ کہ خُدا کا قانون باطل نہیں ہو سکتا۔ اس نے دیکھا کہ بنی آدم کا جو حال ہوا وہ بالکل نامناسب اور قابل شرم تھا یعنی جِن چیزوں کا وہ صانع ہے وہی معدوم ہو رہی ہیں۔ اُس نے دیکھا کہ بنی آدم گناہ میں بہت ہی ترقی کر گئے اور اُنہوں نے اپنی شرارت کو اِس قدر بڑھایا کہ خود اس میں غرق ہوئے جاتے ہیں۔ پھر اُس نے دیکھا کہ سب موت کے پنجے میں گرفتار ہیں۔ تب اُس نے ہماری جنس پر رحم کیا اور ہماری کمزوری پر ترس کھایا۔ اُس نے ہم کو ہلاک ہوتے دیکھنا گوارا نہ کیا۔ اس کو اس کی تاب نہ ہوئی کہ ہم کو ہلاک ہوتے دیکھے۔ پس ہم کو جو اُس کے خلوق اور اُس کے باپ کی صنعت تھی کہ خرابی سے بچانے کے لئے مجسّم ہوا بلکہ عین بنی آدم کا سا جِسم اختیار کیا۔

اُس نے یہ پسند نہ کیا کہ صرف جسم اختیار کرے یا صرف دُنیا میں ظاہر ہو کیونکہ یہ اُس کی قدرت میں تھا کہ بغیر مجسّم ہوئے اپنے تئیں ظاہر کرے یا کسی اور بہتر اور افضل طریقے سے اپنا ربّانی جلوہ دکھائے لیکن اس نے ہمارا جسم لیا اور اِس جسم کو اختیار کرنے کا وسیلہ اُس نے ایک بے داغ اور بے عیب کنواری عورت کو بنایا۔ جو مرد سے واقف نہ تھی اُس کا جسم پاک اور مردوں کی صحبت سے مبرّا تھا۔ کلمۃ اللہ گو خود قدرت والا اور عالم کا صانع تھا۔ تاہم اُس نے اس کنواری کے رحم کا اپنا مسکن بنایا اور پھر اُس میں داخل ہو کر رہا اور اپنے آپ کو ظاہر کرتا رہا۔

کل بنی آدم کے اجسام (جسم کی جمع) فانی ہیں۔ پس ہمارے اجسام جیسے ایک جسم کو اُس نے اختیار کیا اور سب کے بدلے اس کو موت کے حوالے کر کے باپ کے حضور قربان کر دیا۔ یہ اُس نے اپنی محبّت اور مہربانی کے باعث کیا، تاکہ سب اِس میں موت کا مزہ چکھیں اور اِس طرح بنی آدم کے فانی ہونے کا قانون موقوف ہو جائے۔ (چونکہ اس قانون کا زور خُداوند کے جسم پر پُورا ہوا اور اُسے اُس کے ہمجنسوں کے خلاف کچھ طاقت نہ رہی) وہ بنی آدم جو فنا کی طرف دوڑے جاتے تھے بقا کی طرف واپس پھیرے گئے۔ اُس کے جسم کی شراکت کے باعث وہ جو مر چُکے تھے زندہ کئے گئے۔ قیامت کے فضل نے اُن کو دوبارہ حیات عنایت کی۔ وہ موت سے یوں بچے جیسے بھوسی (گھاس) جلنے سے بچے۔

(۹) کلمۃ اللہ کے تجسّم نے ہم کو موت سے خلاصی بخشی ہے

کلمۃ اللہ کو معلوم تھا کہ بنی آدم کو فنا سے بچانے کا فقط ایک ہی وسیلہ ہے۔ یعنی موت، لیکن چونکہ کلمۃ اللہ غیر فانی تھا اور باپ کا بیٹا تھا۔ اِس لئے اس کے واسطے مرنا ناممکن تھا۔ پس اُس نے ایک فانی جسم اختیار کیا چونکہ یہ جسم کلمۃ اللہ کا مسکن تھا۔ اس کی صحبت نے اس پر دو اثر کئے۔ اوّل وہ جسم اِس قابل ہوا کہ سب کے عوض میں مرے۔ دوئم بوجہ کلام کی سکونت کے باوجود مرنے کے وہ انتشار اور سڑنے سے محفوظ رہا۔ اور اُس کی قیامت کے فضل سے آیندہ کو کل انسانی اجسام آخر کار فنا کے قبضے سے چھوٹ جائیں۔ اِس جسم کو جسے اُس نے اختیار کیا تھا۔ مطلق داغ موت کے آگے قربان کر کے اور اس طرح ایک مساوی شے (یعنی اپنا جسم پاک جو اکیلا مجموعی تمام انسانوں کے اجسام کے ہم قدر تھا) دے کر اپنے سب ہم جنسوں کے سر سے موت کی بلا کو ٹال دیا۔

کلمۃ اللہ نے اپنے مسکن اور جسم کو سب کی حیات کی خاطر قربان کر دیا۔ وہ اپنی ذات میں سب سے برتر و بالا تھا اور اُس کی موت سے وہ تمام نتائج برآمد ہوئے جن کی توقع ہو سکتی تھی۔ خُدا کا غیر فانی کلمہ انسانی فطرت کو اختیار کرنے کے سبب سے نوعِ انسانی میں مل گیا۔ اس کی صحبت نے کل بنی آدم کو قیامت کا وعدہ عطا کر کے بقا سے ملبّس کیا۔ کلمۃ اللہ اُس کے جسم میں ساکن ہونے کے باعث کل نوعِ انسانی میں ساکن ہوا۔ پس موت کا انتشار ان کے اجسام پر کچھ زور نہیں رکھتا۔

اگر کوئی بڑا بادشاہ کسی شہر میں داخل ہو کر اس کے کسی مکان میں رہائش اختیار کرے تو وہ شہر بڑی عزّت کے لائق سمجھا جاتا ہے اور کوئی دشمن یا غارت گر اُس پر حملہ کرنے کی جرائت نہیں کرتا۔ بلکہ اِس خیال سے کہ بادشاہ اُس کے ایک مکان میں رہتا ہے سب اس شہر کو ممتاز سمجھتے ہیں۔ پس چونکہ کل عالم کا سلطان دُنیا میں آیا اور ہمارا ہم جنس ہو کر ایک جسم میں رہا۔ دشمن کے وہ تمام ارادے جو وہ ہمارے خلاف رکھتا تھا ٹوٹ گئے۔ اور موت جو سب پر غالب آتی تھی معدوم ہو گئی۔ اگر خُدا کا بیٹا جو سب کا مالک اور مُنجی ہے نہ آتا اور یوں موت کا خاتمہ نہ کر دیتا تو نسلِ انسانی بالضرور تباہ ہو جاتی۔

(۱۰)تجسّم کی مناسبت

درحقیقت یہ عظیم کام خُدا کی نیکی کے ساتھ ایک خاص رشتہ اور مناسبت رکھتا تھا۔ فرض کرو کہ کسی بادشاہ نے کوئی شہر یا مکان بنایا ہو اور اس میں رہنے والے لوگ اُس کی حفاظت میں ایسے غافل ہو جائیں کہ غارت گر اُس کا محاصرہ کریں۔ تو کیا وہ بادشاہ اس شہر کی طرف سے بے پرواہ رہے گا۔ نہیں بلکہ فوراً اُسے اپنا کام سمجھ کر دشمنوں سے انتقام لے گا اور اپنے بنائے ہوئے شہر کی حفاظت کرے گا۔ اُس کو اِس بات کا خیال کم ہو گا کہ جن لوگوں کو میں نے اپنے شہر میں بسایا ہے کیسے بے پرواہ ہیں لیکن اپنی شان کا خیال رکھے گا۔ پس کلمۃ اللہ نے بھی نوعِ اِنسانی کی طرف سے جسے اُس پیدا کیا تھا اور جو بالکل بگڑتی جاتی تھی بے پرواہی نہیں کی۔ اُس نے اپنے جِسم کی قربانی سے اِس موت کو موقوف کیا جس کے وہ سزاوار بن گئے تھے۔ اُس نے اپنی تعلیم سے اُن کی غفلت کا علاج کیا اور اپنی قدرت سے اِنسان کی کل فطرت کو صحیح وسالم کر دیا۔

نجات دہندہ کے شاگرد اپنی الہامی شہادت سے ہمیں اِس امر کا یقین دلاتے ہیں۔ ''چنانچہ کہتے ہیں کہ مسیح کی محبت ہم کو مجبور کر دیتی ہے۔ اِس لئے کہ ہم یہ سمجھتے ہیں کہ جب ایک سب کے واسطے موا تو سب مر گئے۔ اور وہ اِس لئے سب کے واسطے ہوا کہ جو جیتے ہیں وہ آگے کو اپنے لئے نہ جئیں بلکہ اُس کے لئے جو اُن کے واسطے مرا اور پھر جی اُٹھا'' (۲۔ کرنتھیوں ۵: ۱۴۔۱۵)۔ یعنی اپنے خُداوند یسوع مسیح کے لئے۔ پھر لکھا ہے کہ ''البتہ اُس کو دیکھتے ہیں جو فرشتوں سے کچھ ہی کم کیا گیا ہے۔ یعنی یسُوع کو کہ موت کا دکھ سہنے کے سبب جلال اور عزت کا تاج اسے پہنایا گیا ہے تاکہ خُدا کے فضل سے ہر ایک آدم کے لئے موت کا مزہ چکھے'' (عبرانیوں ۲: ۹)۔

خُدا کے کلام میں یہ بھی بتلایا گیا ہے کہ کیا ضرور تھا کہ فقط کلمۃ اللہ ہی مجسم ہو کر انسان بنے۔ چنانچہ لکھا ہے کہ ''جس کے لئے سب چیزیں ہیں اور جس کے وسیلہ سے سب چیزیں ہیں اس کو یہی مناسب تھا کہ جب بہت سے بیٹوں کو جلال میں داخل کرے تو اُن کی نجات کے بانی کو دکھوں کے ذریعہ سے کامل کرے'' (عبرانیوں ۲: ۱۰)۔ اِن الفاظ سے یہ مراد ہے کہ بنی آدم کو اُس بگاڑ میں سے نکالنا جس میں وہ مبتلا تھے کلمۃ اللہ کے سوا اور کسی کے بس میں نہ تھا۔ کیونکہ وہی شروع میں اُن کا خالق تھا۔ اور پاک کتاب یہ بھی بتاتی ہے کہ کلمۃ اللہ نے اس لئے جسم قبول کیا کہ ان لوگوں کو نجات بخشے جو اُس کے سے جسم رکھتے تھے چنانچہ لکھا ہے۔ کہ '' جس صورت میں کہ لڑکے خون اور گوشت میں شریک ہیں تو وہ خود بھی اُن کی طرح اُن میں شریک ہوا۔ تاکہ موت کے وسیلہ سے اُس کو جسے موت پر قدرت حاصل تھی یعنی ابلیس کو تباہ کر دے۔ اور جو عمر بھر موت کے ڈر سے غلامی میں گرفتار رہے اُنہیں چھڑا لے'' (عبرانیوں ۲: ۱۴۔۱۵)۔

اُس نے اپنے جسم کی قربانی سے دو کام لئے۔ **اوّل** اس قانون کو موقوف کر دیا جو ہمارا مخالف تھا۔ **دوئم** ہمیں ایک نئی حیات عطا کی اور جسم کے جی اُٹھنے کی امید دلائی۔ موت نے انسان کے ذریعہ سے انسان پر غلبہ پایا تھا۔ پس کلمۃ اللہ نے انسان بن کر موت کو موقوف کر دیا اور زندگی کی قیامت کے سلسلہ کو شروع کیا۔ وہ شخص جو اپنے جسم پر یسوع کے لئے داغ لئے پھرتا تھا (گلتیوں ۶: ۱۷)۔ یوں لکھا ہے کہ ''جب آدمی کے سبب سے موت آئی تو آدمی ہی کے سبب سے مردوں کی قیامت بھی آئی اور جیسے آدم میں سب مرتے ہیں ویسے ہی مسیح میں سب زندہ کئے جائیں گے'' (۱۔ کرنتھیوں ۱۵: ۲۱۔۲۲)۔

ہم اُن لوگوں کی مانند نہیں جن پر موت کا فتویٰ جاری ہو چکا ہے بلکہ اُن کی مانند ہیں جو اُٹھنے والے ہیں اور جو سب کی قیامت کے منتظر ہیں۔

اس قیامت کو خُدا جس نے اُس کو بنایا ہے اور ہمیں مفت بخشا ہے۔ ''اپنے مناسب وقت پر ظاہر کرے گا''(۱۔ تیمتھیس ۶:۱۵)۔

نجات دہندہ کے انسان بننے کا یہی پہلا سبب تھا۔

لیکن ذیل کے وجوہات پر بھی غور کرنے سے معلوم ہو گا کہ اُس کا فیض بخش ظہور عین واجب و مناسب تھا۔

(۱۱)اِنسان کے لئے خُدا کا حسن انتظام اور اِنسان کی بدی

خُدا نے جو سب چیزوں پر قادر ہے اپنے کلمہ کے ذریعہ سے بنی آدم کو خلق کرتے وقت اُن کی فطرت کی کمزوری کو دیکھا۔ اُس نے معلوم کیا کہ انسان اپنے آپ نہ اپنے خالق کو جان سکتا ہے اور نہ خُدا کا کوئی لایق خیال و تصور اپنے ذہن میں لا سکتا ہے۔ پس اُس نے بنی آدم پر رحم کیا اور چونکہ وہ نیک تھا اس نے ان کو اپنی پہچان سے محروم نہ رکھا کہ مبادا اُن کی ہستی نکمی و بے فائدہ رہ جائے۔ پس اپنے آپ خُدا کو پہچاننا انسان کے لئے محال تھا۔ لیکن انسان کو ہستی سے کیا نفع ہوتا اگر وہ اپنے خالق کو نہ جانتا۔ اگر بنی آدم نطق اللہ یا کلمۃ اللہ کو جس سے انہوں نے حیات و ہستی حاصل کی تھی نہ جانتے تو کیوں کر ناطق یا ذی عقل کہلا سکتے۔ تب تو اُن میں اور حیوان مطلق یعنی غیر ذی عقل حیوانوں میں کچھ بھی فرق نہ ہوتا۔ اگر زمینی امور کو چھوڑ کر ان کو آسمانی امور کے ساتھ ذرہ بھی تعلق نہ ہوتا تو فی الحقیقت وہ حیوان اُن سے کسی بات میں اعلیٰ نہ پائے جاتے۔ اگر خُدا کی یہ مرضی نہ تھی کہ بنی آدم مجھ کو پہچانیں تو اُس نے اُن کو پیدا ہی کس لئے کیا تھا۔

پس چونکہ خُدا نیک ہے اِس لئے اُس نے اُنہیں خُداوند یسوع مسیح میں جو اُس کی ذات کا نقش ہے شراکت عنایت کی یعنی اُن کو اپنی ہی صورت پر اِس لئے پیدا کیا کہ وہ مجھ سے ناواقف نہ رہیں اور وہ جانتا تھا کہ اِس فضل کے انعام کے وسیلہ سے بنی آدم خُدا کی صورت یعنی کلمۃ اللہ کو پہچانیں اور اس کے سبب باپ کا تصور حاصل کریں۔ اور اپنے خالق کو پہچاننے کے سبب سے سرور اور سچی برکت میں زندگی بسر کریں۔

لیکن بنی آدم سچائی سے بھٹک گئے۔ اُنہوں نے خُدا کے فضل کو حقیر سمجھا۔ پس وہ خُدا سے منحرف ہوئے اور ان کی روحیں ایسی ناپاک ہو گئیں کہ اپنے خالق کا خیال بھی کھو بیٹھے اور ایسے بگڑے کہ اپنے لئے مختلف اقسام کے بت ایجاد کرنے لگے۔ بالعوض سچ کے انہوں نے بت بنا لئے اور اپنے اوہام باطلہ (جھوٹے خیالات) کو خُدا پر جو موجود ہے ترجیح دینے لگے۔ مخلوق کی پرستش کو اُنہوں نے خالق کی پرستش پر ترجیح دی۔ (رومیوں ۱:۲۵) اور اس بھی بدتر یہ کیا کہ جو عزت خُدا کا حق تھی اسے اُنہوں نے پتھر لکڑی یا اشیائے مادی یا آدمیوں کو دینی شروع کی بلکہ اپنی گمراہی میں اِس سے بھی بڑھ گئے۔ اُن کی بے دینی نے اس قدر ترقی کی کہ انہوں نے شیاطین کو پوجنا اور ان کو خُدا کہنا شروع کیا۔ اور اپنی شہوتوں کو پورا کرنے میں مصروف ہوئے۔ آدمیوں اور جانوروں کو قربان کرنا ان کی عادت ہو گئی اور وہ کہنے لگے کہ دیوتاؤں کا یہی حق ہے۔ پس بنی آدم اپنی دیوانگی کے خوب مطیع بنے۔ اُن کے درمیان جادوگر اور غیب بین پیدا ہوئے جنہوں نے اپنے ہم جنسوں کو گمراہ کیا۔ لوگ ظاہری چیزوں پر ایسے فریفتہ ہوئے کہ اپنی پیدایش اور حالت کو ستاروں اور اجرام فلکی کی تاثیر کا نتیجہ سمجھنے لگے۔

حاصل کلام بے دینی اور خود سری نے ایسا زور پکڑا کہ خُدا اور کلمۃ اللہ کو سب بھول گئے۔ گو خالق کی پاک ذات کسی وقت اُن سے پوشیدہ نہ تھی۔ خُدا نے نہ فقط ایک طریقے سے بلکہ طرح طرح اپنے تئیں اپنی مخلوقات پر ظاہر کیا تھا۔

(۱۲) توریت اور نبیوں کے باوجود بنی آدم کی سرکشی

انسان کو یہ فضل بخشا گیا تھا کہ وہ خُدا کی صورت پر خلق کیا گیا تھا۔ اس سے یہ نتیجہ نکلنا چاہئے تھا کہ وہ اوّل کلمۃ اللہ کو پہچانتا اور اس کے وسیلہ سے خُدا باپ کی شناخت حاصل کرتا، لیکن خُدا نے انسان کی کمزوری سے واقف ہو کر اس کی غفلت کا علاج کیا۔ ایسا کہ اگر ان کو اپنی عقل کے خُدا کے پہچاننے کی خواہش نہ ہوتی تاہم کائنات کو دیکھ کر خالق کی پہچان سے محروم نہ رہتے۔

لیکن چونکہ انسان کی غفلت روز بروز زیادہ ہوتی جاتی تھی خُدا نے از سر نو اُن کی کمزوری کا چارہ کیا۔ اُس نے اُن کو ایک شرع بخشی اور ایسے شخصوں کو جن کو وہ جانتے تھے نبی بنا کر ان کی طرف مبعوث (بھیجا ہوا) کیا۔ بنی آدم نے آسمان کی طرف دیکھ کر اپنے خالق کو پہچاننا تو بالکل چھوڑ دیا تھا۔ پس خُدا نے اُن کے درمیان ایسے آدمی بھیج دئے جن سے وہ تعلیم حاصل کر سکتے تھے۔ آسمانی باتوں کو آدمی زیادہ تر اس حال میں براہ راست سیکھ سکتا ہے جب کہ سکھانے والے اس کے ہم جنس انسان ہوں۔

اگر انسان اپنی آنکھیں اُٹھا کر آسمان کی وسعت اور خلقت کی اس کثرت کو دیکھتا جس میں یکجہتی اور اتفاق بھی ہے تو اُس کے لئے ممکن تھا کہ دنیا کے حاکم اور کلمۃ اللہ کو پہچانتا۔ جو کل اشیاء کا منتظم ہے اور اپنے انتظام سے آدمیوں کو ہدایت خُدا باپ کی طرف کرتا ہے۔ جو اسی غرض سے عالم کو متحرک کرتا ہے تاکہ سب بذریعہ اُس کے خُدا کو پہچانیں۔

یا اگر یہ مشکل تھا تو انسان کے لئے ممکن تھا کہ مقدّس آدمیوں کی صحبت میں بیٹھتا اور بذریعہ اُن کے خُدا کو جو سب اشیاء کا صانع اور مسیح کا باپ ہے۔ پہچانتا نیک آدمیوں کی صحبت سے اس کو معلوم ہو جاتا کہ بُتوں کی پرستش بے دینی اور خُدا کا انکار ہے۔

یا وہ خُدا کے احکام کو سیکھ کر نافرمانی سے بچ سکتا تھا۔ اُس کے لئے ممکن تھا کہ خُدا کے حکموں کی مدد سے دین داری کی زندگی بسر کرے۔ کیونکہ شریعت فقط یہودیوں کی خاطر ہی نہیں آتی اور نبی صرف اُنہی کی خاطر نہیں بھیجے گئے۔ ہاں یہودیوں کے پاس بھیجے تو گئے اور اُن سے ظلم اٹھایا مگر نبی کل دُنیا کے لئے خُدا کے علم کا مدرسہ اور رُوح کی ہدایت کا مکتب تھے۔

خُدا کی نیکی اور مہربانی کی تو کچھ حد نہ تھی تاہم انسان چند روزہ خوشیوں پر عاشق ہوا اور شیاطین کے دعوؤں اور مکر کے بند میں پھنسا۔ اس نے اپنا سر حق کی طرف نہ اٹھایا۔ بلکہ بدی اور گناہ کا بوجھ اپنے کندھے پر اور بھی دھر لیا اور ایسا بگڑ گیا کہ کوئی نہ کہہ سکتا تھا کہ یہ ناطق ذی عقل ہے، بلکہ اُس کی حالت ایسی ہو گئی جیسی غیر ذی عقل حیوان مطلق کی ہوتی ہے۔

(۱۳) نسلِ اِنسان کا نیا کیا جانا مناسب تھا

پس معلوم ہوا کی بنی آدم غیر ذی عقل ہو گئے۔ شیاطین کے فریب نے ہر جگہ خلقت میں تاریکی پھیلا دی۔ حقیقی خُدا کا علم پوشیدہ ہو گیا۔ اب کیا کرنا خُدا کی شان کے لائق تھا؟ کیا وہ ایسے ظلم کے مقابلہ میں خاموش رہتا اور بنی آدم کو شیاطین کا فریب کھا کر اپنی ذات پاک سے غافل رہنے دیتا۔

اگر ایسا ہی کرنا مناسب تھا تو ابتدا میں آدمی کو اپنی صورت پر پیدا کرنے سے کیا حاصل ہوتا۔ چنانچہ انسان کے لئے یہ اچھا ہوتا کہ شروع ہی سے حیوان مطلق اور غیر ذی عقل پیدا کیا جاتا بسبب اس کے کہ ذی عقل اور ناطق (ناطق، صاحب عقل) ہونے کے بعد حیوان مطلق کی سچی زندگی گذارے۔

اور اس کا بھی کیا فائدہ تھا کہ آیندہ میں خُدا کی بابت کوئی علم حاصل کرتا اگر بعد میں اس علم کو بالکل ہاتھ چھوڑ دیتا۔ تو شروع ہی میں اُس کا نہ ملنا بہتر ہوتا کیا کوئی بادشاہ گو وہ بشر ہے۔ اپنے آباد کئے ہوئے ممالک کو کسی دوسرے کہ ہاتھ میں سونپ دے۔ کیا وہ اس بات کا متحمل (برداشت کرنے والا، صابر) ہو سکتا ہے کہ اس کی رعایا کسی دوسرے بادشاہ کی خدمت اور دبدبہ میں رہے یا غیر کی اطاعت اختیار کرے؟ نہیں ہر گز نہیں بلکہ برعکس اس کے وہ خطوط لکھئے گا اور وقتاً فوقتاً اپنے دوستوں کو بھیجئے گا اور اگر ضرورت ہو تو خود اپنے آباد کئے ہوئے ملک کو دیکھنے جائے گا تا کہ وہاں کے لوگوں کو اپنی حضوری سے شرمندہ کرے اور اُن کو کسی دوسرے کی تابع داری سے روکے گا تا کہ اُس کا کیا ہوا کام برباد نہ ہو جائے۔ جب دنیوی بادشاہوں کو اتنی غیرت ہے تو کیا خُدا کی غیوری۔ اس سے بھی کم ہے؟ کیا خُدا اپنی مخلوقات کی طرف سے غافل رہے گا اور اُن کو بھٹکنے دے گا؟ کیا وہ اُنھیں خالق کو چھوڑ کر معدوم چیزوں کی عبادت کرنے دے گا؟ اور خاص کر اس حالت میں جب کہ اُن کے ایسے فعل کا یہ نتیجہ ہو کہ وہ خود برباد ہو جائیں۔ کیا مناسب ہے کہ ایسی مخلوق تباہ ہو جو خالق کی مشابہت رکھتی ہے۔

پس خُدا کو کیا کرنا مناسب تھا؟ وہی جو اُس نے کیا۔ یعنی یہ کہ اُس نے اپنے اُس فضل کو دوبارہ بخشا جس کے باعث اُس نے انسان کو اپنی صورت پر خلق کیا تھا۔ تا کہ اُس کے ذریعہ سے بنی آدم پھر اپنے خالق کو پہچان سکیں لیکن اُس کا صرف ایک ہی راستہ تھا اور وہ یہ کہ خُدا کی وہی صورت یعنی ہمارا خُداوند یسُوع مسیح پھر زمین پر آئے۔

آدمی سے یہ کام نہ ہو سکتا تھا۔ وہ تو خالق کی صرف صورت پر بنائے گئے ہیں۔ فرشتوں سے یہ کام نہ ہو سکتا تھا۔ کیونکہ وہ خُدا کی صورت پر بنائے نہیں گئے۔ پس کلمۃ اللہ خود آیا۔ جو باپ کی صورت ہے۔ تا کہ انسان کو از سرِ نو خُدا کی صورت پر لائے۔ اس کام کے لئے ضرور تھا کہ موت اور انتشار موقوف کر دیا جائے۔ پس اس نے فانی جسم اختیار کیا تا کہ اس جسم میں موت کو کلیہ (مکمل) طور پر دُور کرے۔ اور بنی آدم کو دوبارہ خُدا کی صورت پہ لائے۔ اس ضرورت کا رفع کرنا فقط باپ کی صورت کے بس میں تھا۔

(۱۴) کلمۃ اللہ کے تجسم کی مناسبت

فرض کرو کہ ایک تصویر کسی تختی پر نقش ہے جو داغوں اور دھبوں کے باعث تقریباً مٹ گئی ہے۔اِس کے دوبارہ روشن کرنے کا انتظام کیوں کر ہو سکتا ہے۔اس کے لئے ضرور ہو گا کہ وہ شخص پھر بُلایا جائے جس کی وہ تصویر ہے اگر وہ حاضر ہو جائے تو اُس کی تصویر کا دوبارہ اسی پہلی تختی پر کھینچنا ممکن ہو گا۔چونکہ تصویر کسی قدر مٹ گئی ہے کوئی اس کاغذ کو جس پر کسی وقت میں وہ تصویر تھی پھینک نہ دے گا۔بلکہ کوشش کی جائے گی کہ اُسی تختی پر اسی پُرانی تصویر کو دوبارہ روشن کریں۔اسی طرح باپ کا قدّوس بیٹا جو باپ کی صورت ہے ہمارے علاقے میں آیا تاکہ آدمی کو دوبارہ اپنی صورت پر لائے۔اور اُس کو جو کھویا گیا تھا۔بذریعہ گناہوں کی مغفرت کے تلاش کرے۔چنانچہ اس کی وہ خود شہادت دیتا ہے۔کہ ''ابنِ آدم کھوئے ہوؤں کو ڈھونڈنے اور نجات دینے آیا ہے''(لوقا ۱۹: ۱۰)۔اسی طرح اُس نے یہودیوں سے بھی کہا۔''جب تک کوئی نئے سرے سے پیدا نہ ہو''(یُوحنّا ۳: ۳)۔اس جملہ سے اس کی یہ مراد نہ تھی کہ آدمی کو دوبارہ کسی عورت کے وسیلہ سے جنم لینا ضرور ہے۔جیسا وہ سمجھتے تھے بلکہ وہ نیا جنم مراد تھا جو رُوح کے نئے کئے جانے اور خُدا کی صُورت میں دوبارہ لائے جانے سے آدمی کو ملتا ہے۔

جب کہ دُنیا بُت پرستی کے دیوانہ پن اور بے دینی کے تصرف میں تھی اور خُدا کی پہچان جاتی تھی تو کس کا کام تھا کہ دُنیا کو باپ کی سچی تعلیم دے۔کیا یہ کام آدمی کے بس کا تھا۔آدمیوں کے لئے تو ممکن نہ تھا کہ دُنیا کے ہر موضع (گاؤں، جگہ) میں جائیں۔ان میں اتنا سفر کرنے کی طاقت نہیں اور کوئی ایسا معتبر نہیں کہ ہر جگہ لوگ اس کی بات کو تسلیم کر لیں۔نہ انسان کو اتنی قدرت ہے کہ شیاطین کے حیلہ اور فریب کا کافی مقابلہ کر سکے۔

دُنیا کے سب لوگ شیطانی فریب اور بتوں کی باطل پرستی میں مبتلا اور سرگردان تھے۔پس ان میں سے کسی سے کب ممکن تھا کہ دوسروں کو راستی کی ترغیب دے سکتا۔اندھا اندھے کو کس طرح راہ دکھا سکتا ہے۔

شاید کوئی کہے کہ خُدا کی شناخت کے لئے محض دُنیا کی پیدایش ہی کافی تھی۔لیکن اگر محض پیدایش ہی کافی ہوتی تو پھر اتنی قباحتیں اور خرابیاں کس طرح پیدا ہو سکتی ہیں۔خُدا نے انسان کو پیدا تو کیا لیکن باوجود خُدا کی مخلوق ہونے کے بنی آدم غلطیوں کی کیچڑ میں لوٹ رہے تھے۔

پس کلمۃ اللہ کے سوا اور کس کی ضرورت تھی۔وہی ایسی بصارت (دیکھنے کی قوت) رکھتا ہے کہ انسان کی رُوح اور عقل کے بھید جانے۔وہی ہر شے کا متحرک ہے اور اُن کے ذریعے سے باپ کی پہچان بخشتا ہے۔اس انتظام اور ترتیب کے ذریعہ سے جو وہ دینوی اشیا کو دیتا ہے ہم کو باپ کی شناخت حاصل ہوتی ہے۔پس یہ اسی کا حِصّہ تھا کہ اس شناخت کو از سر نو پیدا کرے۔

لیکن یہ کیونکر کیا جا سکتا تھا۔شاید کوئی کہے کہ خُدا کو چاہئے تھا کہ تمام خلقت کو از سر نو پیدا کرے اور اپنی صنعت میں پھر اپنا ظہور و جلوہ بخشے۔جس طرح اس نے پہلے کیا تھا۔لیکن اس طریق پر چنداں (کچھ) اعتماد نہیں ہو سکتا تھا۔یہی طریقہ خُدا نے پہلے برتا لیکن بنی آدم نے اس کی پروانہ کی۔بجائے آنکھیں اُوپر اُٹھانے کے اُنھوں نے اپنا رُخ نیچے کو کر لیا تھا۔

پس آدمیوں کے فائدے کے لئے وہ آدمی بن کر آیا۔ اور ایسا جسم اختیار کیا جیسا معمولی آدمیوں کا ہوتا ہے اور اس نے ادنی چیزوں یعنی اپنے جسم کے لئے ہوئے کاموں سے تاکہ وہ جو دنیا کے الٰہی حسن انتظام سے اس کو پہچاننا نہیں چاہتے تھے۔ اس کے جسمانی افعال کے ذریعہ سے اس کو جانیں۔ اور کلمۃ اللہ کو مجسم دیکھ کر باپ کی معرفت حاصل کریں۔

(۱۵) کلمۃ اللہ کی فروتنی

بعض طالب ایسے ہوتے ہیں کہ مشکل مضامین کا سمجھنا اُن کی طاقت سے بعید ہوتا ہے۔ پس عقلمند معلم ان کی کمزوری کا لحاظ کر کے ان کو کسی بڑے آسان طریقہ سے پڑھاتا ہے۔ کلمۃ اللہ نے بھی ایسا ہی کیا۔ پولُس بھی ایسا ہی فرماتا ہے۔ ''اس لئے جب خُدا کی حکمت کے مطابق دنیا نے اپنی حکمت سے خُدا کو نہ پہچانا تو خُدا کو یہ پسند آیا کہ اُس منادی کی بیوقوفی سے ایمان لانے والوں کو نجات دے''(۱۔ کرنتھیوں ۱: ۲۱)۔

کلمۃ اللہ نے دیکھا کہ بنی آدم نے خُدا کا تصور چھوڑ دیا ہے۔ اور اپنی نظر کو نیچے لگا کر موجودات اور محسوسات میں خُدا کی تلاش کرتے ہیں۔ اور یوں فانی انسانوں اور شیاطین کو اپنا خُدا گردان رہے ہیں۔ تب اس نے جو سب کا منجی ہے اپنے لطف و مہر سے ایک جسم اختیار کیا۔ اور آدمیوں کے درمیان آدمی بن کر تمام آدمیوں کی توجہ کو اپنی طرف کھینچا۔ آدمیوں کا خیال تھا کہ خُدا جسمانی چیزوں میں ہے۔ پس وہ جسم ہی میں آموجود ہوا تاکہ اس کے جسمانی کاموں میں وہ حق کو معلوم کریں۔ اور اس کے ذریعے سے باپ کی شناخت تک پہنچ جائیں۔ وہ بشر تھے اور ان کی توجہ بالکل بشری معاملات میں لگی ہوئی تھی۔ پس کلمۃ اللہ نے بشریت کا جامہ پہن کر بشریت کی حالت کو بدل دیا۔ اب بشریت خُدا کی پہچان میں مدد دینے لگی اور ہر طرف سے انسان کو حق کی تعلیم ملنے لگی۔

کیا پہلے بنی آدم مخلوقات کو دیکھ کر متحیر (حواس باختہ، حیران، ہکا بکا) نہ تھے۔ یہاں تک کہ اس کو معبود مان لیا تھا اب انھیں مسیح کو خُدا مانتے ہوئے دیکھتے ان کی عقل ایسی نہ بگڑ گئی تھی کہ وہ آدمیوں کو خُدا مانتے تھے۔ اب نجات دہندہ نے ایسے کام دکھلائے کہ اگر ان کا مقابلہ انسانی کاموں کے ساتھ کیا جاتا تو ان سے ثابت ہوتا کہ بنی آدم مقابلہ نہیں کر سکتے۔ کیا بنی آدم شیاطین پر فریفتہ نہ ہو گئے تھے۔ اب انھوں نے دیکھا کہ خُداوند ان کو بھگاتا اور زک (شکست) دیتا ہے۔ پس ان کو معلوم ہوا کہ فقط کلمۃ اللہ ہی خُدا ہے اور شیاطین خُدا نہیں ہیں۔ کیا بنی آدم گذشتہ زمانوں کے بہادروں کی پرستش نہ کرتے تھے اور ان پر عاشق نہ تھا جنہیں شاعروں نے دیوتا بنا دیا تھا۔ اب انہوں نے نجات دہندہ کی قیامت دیکھی اور اقرار کیا کہ ہمارے پہلے معبود جھوٹے تھے۔ ان کو معلوم ہوا کہ باپ کا کلمہ ہی فقط سچا خُداوند ہے۔ بلکہ وہ موت پر بھی اختیار رکھتا ہے۔

اس کے انسانی تولد (پیدائش) اور ظہور کی یہی وجہ تھی۔ اسی لئے وہ مرا اور پھر زندہ ہوا۔ اس کے کاموں کی روشنی کے مقابلہ تمام انسانی کام دُھندلے ہو کر غائب ہو گئے۔ وہ تمام انسانوں کو ہر جگہ کھینچتا ہے اور اپنے سچے باپ کی پہچان بخشتا ہے۔ وہ خود فرماتا ہے ''میں اس لئے آیا ہوں کہ کھوئے ہوؤں کو ڈھونڈوں اور بچاؤں''(لوقا ۱۹: ۱۰)۔

(۱۶) کلمۃ اللہ کی معموری

جب انسانی عقل نفس کی مطیع ہوگئی تو کلمۃ اللہ نے جسم کے ذریعہ سے ظاہر ہونا منظور فرمایا تاکہ انسان ہو کر آدمیوں کو اپنا بنالے۔ اور ان کے حواس کو اپنی طرف رجوع کرلے اور اس وقت سے اب تک بذریعہ ان کاموں کے جو اس نے کئے تھے۔ وہ بنی آدم کو سمجھاتا ہے کہ گو تم نے مجھے آدمی کی صورت میں دیکھا تاہم میں خُدا ہوں۔ میں کلمۃ اللہ اور سچے خُدا کی عقل و حکمت ہوں۔ پولُس بھی یہ کہہ کر اس بات کا اظہار کرتا ہے۔ "تاکہ تم محبت میں جڑ پکڑ کر اور بنیاد قائم کر کے سب مقدسوں سمیت بخوبی معلوم کر سکو کہ اس کی چوڑائی اور لمبائی اور اونچائی اور گہرائی کتنی ہے۔ اور مسیح کی اس محبت کو جان سکو جو جاننے سے باہر تاکہ تم خُدا کی ساری معموری تک معمور ہو جاؤ" (افسیوں ۳: ۱۷۔۱۹)۔

چونکہ کلمۃ اللہ نے اپنے تئیں ہر جگہ منکشف (ظاہر) کیا ہے اس لئے کل دُنیا خُدا کی پہچان سے معمور ہوگئی ہے۔ اس نے ہر جگہ اپنے آپ کو منکشف کیا ہے اوپر اور نیچے گہرائی اور چوڑائی میں۔ اوپر یعنی مخلوقات میں۔ نیچے یعنی اپنے تجسم میں۔ گہرائی یعنی عالم ارواح میں۔ چوڑائی یعنی کل عالم میں اس کی معموری ہوگئی۔

اس لئے اس نے آتے ہی اپنے تئیں قربان نہیں کر دیا۔ دُنیا میں آتے ہی اس نے موت اور قیامت کا تجربہ حاصل نہ کیا کیونکہ اگر وہ ایسا کرتا تو فوراً ہماری نظروں سے غائب ہو جاتا۔ بلکہ اس نے اپنے آپ کو بخوبی جسم میں ظاہر کیا۔ وہ جسم میں رہا اور ایسے کام کرتا اور نشان ظاہر کرتا رہا جن سے ثابت ہوا کہ وہ محض انسان نہیں ہے بلکہ کلمۃ اللہ اور خُدا ہے۔

نجات دہندہ نے اپنے تجسم سے بباعث اپنی محبت اور مہر کے یہ دونوں کام کئے۔ اس نے موت کو ہم سے دور کیا اور ہم کو نئی حیات بخشی۔ اور چونکہ وہ نادیدہ (دیکھائی نہ دینے والا) تھا اس لئے اپنے کاموں کے ذریعہ سے دکھائی دیا۔ اس کے کاموں کو دیکھ کر ہم نے پہچانا کہ وہ باپ کا کلمہ اور کل مخلوقات کا حاکم اور بادشاہ ہے۔

(۱۷) تجسم کے باعث کلمۃ اللہ محدود نہ ہو گیا

لیکن جسم نے اس کو محدود نہ کر دیا۔ اور جسم میں رہنے سے یہ نتیجہ نہ نکلا کہ اس کی حضوری اور جگہوں سے جاتی رہی۔ وہ جسم کو تو متحرک کرتا تھا اور ساتھ ہی اس کے کل عالم اس کے اثر عمل اور انتظام سے معمور تھا۔ اور کیسی عجیب یہ بات ہے کہ وہ کلمۃ اللہ ہونے کے باعث کے کسی شے سے محاط (گھیرا گیا، مشہور) نہ ہوا بلکہ اسی کا احاطہ ہر شے پر تھا۔ وہ مخلوقات کے اندر حاضر تھا تاہم مخلوقات سے بلحاظ ماہیت علیحدہ تھا۔ ہر شے نے اس سے زندگی حاصل کی۔ کسی شے نے اس پر احاطہ نہ کیا بلکہ وہ ہر شے پر اپنا احاطہ رکھتا تھا۔ اس کی ہستی ہر طرح سے فقط اس کے باپ کی پاک ذات کے اندر تھی۔ وہ جسم کے اندر تھا اور اس جسم کو زندگی بخشتا تھا لیکن ساتھ ہی اس کے کل عالم کو زندہ رکھتا تھا۔ وہ عالم کے ہر حِصّہ میں حاضر تھا تاہم اس کی کلیت سے باہر تھا۔ اس نے نہ فقط ان کاموں کے ذریعہ سے اپنے تئیں نمایاں کیا جو اس نے جسم میں ہو کر کئے بلکہ اپنے اس اثر و عمل کے ذریعہ سے بھی جو کل عالم میں ظاہر تھا۔

روح کی خاصیت ہے کہ وہ بذریعہ خیال کے ان اشیاء پر غور کر سکتی ہے جو جسم کے باہر ہیں۔ لیکن وہ جسم کے باہر عمل نہیں کر سکتی۔ نہ وہ ان اشیاء کو متحرک کر سکتی ہے جو اس سے فاصلہ پر ہیں۔ آدمی میں قوت نہیں کہ محض خیال کے زور سے ایسی اشیاء کو متحرک (حرکت کرنے والا، جاری) کرے جو اس سے دور ہیں۔ اپنے گھر بیٹھ کر آدمی اجسام سماوی کی نسبت سوچ سکتا ہے۔ لیکن اس سوچ میں یہ قوت نہیں کہ آفتاب کو حرکت یا آسمان کو گردش دے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ آفتاب و ماہتاب اور ستارے گردش کرتے اور موجود ہیں لیکن ہم اپنا زور ان پر نہیں چلا سکتے۔

لیکن کلمۃ اللہ کی مجسم ہو کر یہ حالت نہ تھی۔ اس کا جسم اس کے لئے کوئی رکاوٹ نہ تھا بلکہ وہ کامل طور پر اس جسم پر حاوی تھا۔ وہ نہ فقط جسم کے اندر تھا بلکہ ہر جگہ حاضر و ناظر تھا۔ وہ کل مخلوقات کے باہر اپنے باپ میں رہتا تھا۔ عجوبہ اس میں ہے کہ جس حال میں وہ انسانی زندگی بسر کر رہا تھا۔ بباعث کلمۃ اللہ ہونے کے وہ ہر شے کو زندہ کرتا تھا۔ اور جب بیٹا ہونے کے باپ کے ساتھ موجود تھا۔ پس کنواری کے بطن سے پیدا ہونے کے باعث بھی اس میں کوئی تبدیلی واقع نہ ہوئی مجسم ہونے کے باعث اس کی ذات میں کوئی نقص یا ناپاکی داخل نہ ہوئی۔ بلکہ کے برعکس اس نے جسم کو پاک مقدس کیا۔

گو وہ ہر شے کے اندر ہے تاہم اس کی ذات علیحدہ ہے اور مخلوقات کی ذات علیحدہ وہ ہر شے کا زندہ کرنے والا اور رزاق ہے۔ آفتاب جسے ہم دیکھتے ہیں اور جو گردش کرتا ہے اس کی صنعت ہے لیکن آفتاب زمینی اجسام کے تعلق سے ناپاک نہیں ہو جاتا۔ تاریکی اس پر غالب نہیں آتی۔ بلکہ وہ ہر شے کو روشن اور پاک کرتا ہے۔ پس خُدا کا پاک کلمہ جو آفتاب کا خالق اور مالک ہے جسم میں ظاہر ہونے سے ناپاک نہیں ہوا۔ برعکس اس کے چونکہ وہ غیر فانی ہے اس نے فانی جسم کو زندہ اور پاک کیا۔ پاک کلام بھی یہی کہتا ہے کہ ''نہ اس نے گناہ کیا نہ اس کے مُنہ سے مکر کی کوئی بات نکلی'' (۱۔ پطرس ۲: ۲۲)۔

(۱۸) کلام مجسم کے کام

مقدس کتابوں کے لکھنے والے جب کلمۃ اللہ کا ذکر کرتے ہیں تو بیان کرتے ہیں کہ وہ کھاتا پیتا تھا۔ اور وہ عورت سے پیدا ہوا۔ پس سمجھ لو کہ ان محاورات کا اطلاق محض اِس کے جسم پر ہے یعنی اس کا جسم عورت سے پیدا ہوا اور غذا کھاتا تھا۔ کلمۃ اللہ جو خُدا ہے جسم میں رہ کر عالم کا منتظم تھا۔ ان کاموں کے ذریعہ سے جو اس نے جسم میں ہو کر کئے اس نے اپنے آپ کو نہ انسان بلکہ کلمہ اور خُدا ظاہر کیا۔ جسمانی کاموں (یعنی پیدا ہونے کھانے پینے دکھ سہنے) کا اطلاق اس کی طرف اس لئے ہے کہ وہ جسم جو یہ سب کرتا تھا اسی کا جسم تھا مناسب تھا کہ جب وہ انسان بن گیا تو کام بھی ایسے ہی کرتا۔ تاکہ سب پر ثابت ہو جائے کہ وہ جسم جو اس نے اختیار کیا محض دھوکا نہ تھا بلکہ حقیقی تھا[1]۔

جیسا کہ بوسیلہ ان چیزوں کے اس نے اپنی جسمانی حضوری کا ثابت کیا۔ اسی طرح بذریعہ ان کاموں کے جو جسم کی وساطت سے کئے اپنے آپ کو خُدا کا بیٹا ثابت کر دیا اسی لئے اس نے بے اعتقاد یہودیوں سے فرمایا ''اگر میں اپنے باپ کا کام نہیں کرتا تو میرا یقین نہ کرو۔ لیکن کرتا ہوں تو گو میرا یقین نہ کرو مگر ان کاموں کا تو یقین کرو تاہم جانو اور سمجھو کہ باپ مجھ میں ہے اور میں باپ میں'' (یوحنا ۱۰: ۳۷۔۳۸)۔

---

[1] ۔ اثناسیس کے زمانے میں دُکیتی نام ایک بدعت تھی جس کی تعلیم کے بموجب مسیح کا جسم حقیقی نہیں تھا بلکہ محض صوری۔

کیونکہ جس طرح وہ اندیکھا ہو کر مخلوقات پر غور کرنے سے پہچانا جاتا ہے اسی طرح انسان بن کر اور جسم سے پوشیدہ ہو کر اپنے کاموں سے ثابت کرتا ہے کہ میں جو یہ سب کچھ کرتا ہوں انسان نہیں بلکہ خُدا کی قدرت اور اُس کا کلمہ ہوں۔ شیاطین کو حکم سے دور کر دینا انسان کا کام نہیں بلکہ خُدا کا ہے۔ کون شخص ہے جو اس جسمانی امراض کو دور کرتا دیکھ کر کہے گا کہ یہ خُدا نہیں بلکہ انسان ہے۔ اس نے کوڑھیوں کو پاک صاف کیا لنگڑوں کو چلنے کی طاقت دی۔ بہروں کو سماعت بخشی۔ اندھوں کو بصارت دی۔ اور آدمیوں میں سے ہر قسم کے مرض اور ضعف کو دور کیا۔ ان کاموں کو دیکھ کر سرسری نظر سے دیکھنے والے بھی کہیں گے کہ اس میں بے شبہ الوہیت ہے اس نے ایک مادر زاد اندھے کو آنکھیں دے کر وہ شے عنایت کی جو ماں کے رحم سے اسے نہ ملی تھی پھر ایسے عظیم معجزہ کو دیکھ کر کون نہ کہے گا کہ انسان کی فطرت اس کے قبضہ میں ہے اور وہ فطرت انسان کا خالق اور صانع ہے کیونکہ جس نے وہ چیز عطا کی جو آدمی اپنی پیدائش سے نہ رکھتا تھا تو ضرور وہ آدمی کی پیدائش کا مالک ہے۔ ابتدا میں جب کہ وہ ہمارے پاس آنے کا قصد کرتا تھا تو اس نے کنوارای کے رحم میں اپنے لئے ایک جسم تیار کیا۔ تاکہ دنیا کو اپنی خُدائی کا ایک بڑا بھاری ثبوت دے دے۔ کیونکہ جو انسانی جسم کو پیدا کر سکتا ہے وہ اور سب چیزیں بھی بنا سکتا ہے۔ کون ہے جو کنواری کو بغیر صحبت مرد کے حاملہ ہوتے اور بچہ جنتے دیکھے اور نہ کہے کہ یہ جو جسم میں ظاہر ہوا ہے دُنیا کا خالق اور مالک ہے۔ کون ہے جو پانی کو مئے بنتے دیکھے اور نہ کہے کہ وہ جس نے یہ کام کیا ہے پانی کی ماہیت اور اصلیت کا مالک اور خالق ہے۔ اپنی الوہیت کو ثابت کرنے کی غرض سے وہ پانی پر یوں چلا جیسے خشکی پر۔ اس معجزے سے اس نے ثابت کیا کہ میں ہر شے پر قادر ہوں۔

اس نے جو کتنے ہی آدمیوں کو تھوڑی سی روٹی سے سیر کیا۔ اور قحط کو ارزانی (کثرت) سے بدل دیا۔ یہاں تک کہ پانچ روٹیوں سے پانچ ہزار آدمی سیر ہوئے۔ اور ابتدائی ذخیرے سے پھر بھی بہت زیادہ روٹیاں باقی رہ گئیں۔ کیا ان کاموں سے ثابت نہ ہوا کہ وہ کل انتظام جہان کا مالک ہے۔

(۱۹) کلمۃ اللہ کے کام اور کائنات کی گواہی

نجات دہندہ نے ان سب کاموں کا کرنا پسند کیا۔ بنی آدم اس سے بے خبر ہو گئے تھے کہ کل عالم کا وہی منتظم ہے۔ مخلوقات کے ذریعے سے وہ اس کی خُدائی کو نہ محسوس کرتے تھے۔ پس اس نے ایک جسم اختیار کیا تاکہ ان کاموں کو دیکھ کر جو اس نے جسم میں رہ کر کئے بنی آدم دوبارہ بصارت حاصل کریں اور اس کے وسیلہ سے باپ کا علم ان کو حاصل ہو۔ اور چند خاص حالتوں میں کلامِ مجسم کے اثر کو محسوس کر کے اس کی قدرت کو پہچانیں جو کل عالم کی منتظم ہے۔ جن لوگوں نے یہ دیکھ لیا کہ اسے شیاطین پر کیسا اختیار حاصل تھا اور شیاطین نے علانیہ اس کی خُداوندی کو تسلیم کر لیا۔ وہ کس طرح کہہ سکتے تھے ہمیں اس کے ابن اللہ یا کلمۃ اللہ یا قدرت اللہ ہونے میں ذرہ بھی شک باقی ہے۔

کائنات کو بھی اس نے نے مجبور کیا کہ اس پر گواہی دے۔ اور جائے تعجب (تعجب کی جگہ) ہے کہ اس کی موت کے وقت (جس کو اس کی فتح کا وقت کہنا زیادہ مناسب ہے) یعنی عین حالت تصلیب میں کل کائنات نے اقرار کیا کہ یہ جو جسم میں ظاہر ہوا اور اب دکھ اٹھا رہا ہے فقط انسان نہیں بلکہ ابنِ اللہ اور سب کا منجی ہے۔ کیونکہ آفتاب نے اپنا مُنہ پھیر لیا۔ اور زمین اور پہاڑ شق (پھٹ جانا) ہو گئے کل بنی آدم خوف زدہ ہو گئے۔ پس ان سب واقعات سے ثابت ہوا کہ مسیح صلیب پر خُدا تھا اور کل مخلوقات اس کے ماتحت ہونے کے باعث خوف کے مارے اس کی حضوری پر گواہی دے رہی تھی۔

پس اس طور پر کلمۃ اللہ نے بذریعہ اپنے کاموں کے اپنے تئیں بنی آدم پر نمایاں کیا۔اب ہم یہ بیان کریں گے کہ اس کی جسمانی زندگی اور دور کا انجام و نتیجہ کیا ہوا۔ ہم اس کے جسم کی موت کی حقیقت کو بھی کھولیں گے۔ خاص کر اس وجہ سے کہ ہمارے ایمان کا مرکز یہی ہے۔اور ہر جگہ اس کا بہت چرچا ہوا کرتا ہے۔اس بیان کے پڑھنے سے بھی تم کو معلوم ہو جائے گا کہ مسیح خُدا اور خُدا کا بیٹا ہے۔

(۲۰) گذشتہ دلائل کا خلاصہ

جہاں تک ممکن تھا اور جہاں تک ہماری سمجھ نے کام دیا ہم نے بیان کیا کہ کلمۃ اللہ کے جسم میں ظاہر ہونے کے اسباب کیا تھے۔کسے قدرت تھی کہ فانی کو غیر فانی کر دے مگر اسی منجی کو جس نے شروع میں ہر شے کو نیست سے ہست کیا تھا۔ کون بنی آدم کو دوبارہ خُدا کی صورت میں پیدا کر سکتا تھا مگر وہ جو خود باپ کی صورت تھا۔ کون مرنے والے کو اس قدر بدل سکتا تھا کہ پھر اس پر موت کا غلبہ نہ رہے مگر ہمارا خُداوند یسوع مسیح جو خود حیات و زندگی ہے۔ کون بنی آدم کو باپ کی سچی شناخت دے کر بتوں کی پرستش موقوف کر سکتا تھا مگر کلمۃ اللہ جو سب اشیاء کا منتظم اور اکیلا باپ کا بیٹا ہے۔

لیکن خاص کر چونکہ ضرور تھا وہ قرض جس کے سب دیندار تھا ادا کیا جائے (اور سب موت کے تحت میں آ چکے تھے) وہ ہم میں آ کر رہا۔اسی وجہ سے اپنے کاموں کے ذریعے سے اپنی الوہیت کا ثبوت دے کر اس نے سب کی خاطر قربانی گذرانی۔یعنی اپنی جسم کو سب کے بدلے موت کے حوالہ کیا۔تاکہ بعد اس کے موت کا بنی آدم پر کچھ دعویٰ نہ رہے اور وہ پچھلی خطا سے بری اور آزاد ہو جائیں۔اس نے اپنے تئیں موت سے زبردست ثابت کیا اور اپنے غیر فانی جسم کو سب کی قیامت کے پہلے پھل کے طور پر ظاہر کیا۔

اس پر تعجب نہ کرو کہ ہمیں اس مضمون کے بیان میں پہلے کہی ہوئی باتیں بار بار دہرانی پڑتی ہیں۔ ہم ایک ایسے کام کا مطلب کھول رہے ہیں جسے خُدا نے اپنی مہربانی و شفقت کے باعث کیا۔ پس ہم مجبور ہیں کہ ایک ہی خیال کو بہت سی صورتوں میں ادا کریں۔ کہ مبادا کوئی بات باقی رہ جائے اور ہم پر یہ الزام آئے کہ ہم نے کسی مسلہ کو نامکمل چھوڑ دیا طوالت (لمبائی، زیادتی) کو ہم زیادہ پسند کرتے ہیں۔ بہ نسبت اس کے کہ کوئی ضروری بات چھوڑ دی جائے۔

اس کا جسم بباعث اور اجسام کی مانند مادی ہونے کے فانی تھا۔ گو وہ اعجازی طور پر باکرہ (کنواری لڑکی) کے رحم میں بنایا گیا تھا۔تاہم وہ ایک انسان جسم ہی تھا۔ اس لئے ضرور تھا کہ مناسب وقت پر موت سے مغلوب ہو۔ لیکن چونکہ کلمۃ اللہ اس میں داخل ہوا تھا اس لئے وہ غیر فانی ہو گیا۔ کلمۃ اللہ کا مسکن ہونے کے باعث وہ جسم فنا کے بس کا نہ رہا۔اور دو عجیب باتیں ایک ہی ساتھ وقوع میں آئیں۔اول سب کی موت خُداوند کے جسم میں پوری ہوئی۔ دوئم موت اور فنا کلمۃ اللہ کی حضوری کے باعث بالکل موقوف کر دی گئی۔ کیونکہ موت کی ضرورت تھی ضرور ہے کہ سب مریں تاکہ سب کا قرضہ ادا کیا جائے۔ پس کلمۃ اللہ نے جو مر نہ سکتا تھا (بباعث غیر فانی ہونے کے) ایک فانی جسم اختیار کیا تاکہ اسے سب کی خاطر قربان کرے اور سب کی خاطر دُکھ سہ کر اور جسم میں اُتر کر موت کے وسیلے سے اس کو جسے موت پر قدرت حاصل تھی یعنی ابلیس کو تباہ کر دے اور جو عمر بھر موت کے ڈر سے غلامی میں گرفتار رہے انہیں چھڑا لے (عبرانیوں ۲: ۱۴۔۱۵)۔

(۲۱) مسیح نے کس لئے موت اختیار کی

ہم جو مسیح پر ایمان رکھتے ہیں۔ شریعت کی دھمکی کے مطابق قدیم زمانہ کی مانند موت کے تحت میں نہیں ہیں۔ کیونکہ مسیح جو سب کا منجی ہے۔ ہماری خاطر اپنی جان دے چکا ہے۔ وہ فتویٰ جو ہمارے خلاف تھا اب موقوف ہو گیا ہے۔ قیامت کے فضل نے فنا کو موقوف اور زائل کر دیا ہے۔ پس ایسے ہم جو مرتے ہیں تو اس کے فقط یہی معنی ہیں کہ ہمارے اجسام اپنی فانی فطرت کے قانون کے مطابق اس وقت پر جسے خُدا نے مقرر کیا ہے منتشر ہو جاتے ہیں۔ تاکہ ایک بہتر قیامت ہم کو حاصل ہو۔ موت ہمارے لئے ہلاکت نہیں بلکہ ہم بیجوں کی مانند بوئے جاتے ہیں تاکہ پھر اُگیں۔ نجات دہندہ کے فضل نے موت کو بیکار کر دیا ہے۔ اس لئے پولُس جو سب کی قیامت کا ضامن بنایا گیا ہے کہتا ہے ''کیونکہ ضرور ہے کہ یہ فانی جسم بقا کا جامہ پہنے۔ اور یہ مرنے والا جسم حیات ابدی کا جامہ پہنے اور جب یہ فانی جسم بقا کا جامہ پہن چکے گا اور مرنے والا جسم حیات ابدی کا جامہ پہن چکے گا تو وہ قول پورا ہو گا جو لکھا ہے کہ موت فتح کا لقمہ ہو گئی ہے۔ اے موت تیری فتح کہاں رہی اے موت تیرا ڈنگ کہاں رہا'' (۱۔ کرنتھیوں ۱۵: ۵۳ سے ۵۵ تک ؛یسعیاہ ۲۵: ۸، ہوسیع ۱۳: ۱۴)۔

یہاں ممکن ہے کہ کوئی شخص یہ پوچھے۔

بالفرض نجات دہندہ کے لئے ضرور تھا کہ اپنے جسم کو سب کے عوض میں موت کے حوالے کرے۔ تو کیوں اس نے تخلیہ میں اس کام کو نہ کیا۔ اور علانیہ مصلوب ہونا منظور فرمایا۔ عزت کے ساتھ جسم کو اپنے سے علیحدہ کر دینا بہتر ہوتا بہ نسبت ایسی شرمناک موت برداشت کرنے کے۔

لیکن دیکھو۔ ایسا اعتراض محض ایک انسانی اعتراض ہے۔ کیوں کہ جو کچھ نجات دہندہ نے کیا وہ ایک خُدائی فعل تھا اور کئی وجوہات سے اس کی الوہیت کے لائق تھا۔

اوّل۔ وہ موت جو آدمیوں کا حِصّہ ہے ان کی فطرت کی کمزوری کے باعث ان پر غالب آتی ہے۔ انسان ایک عرصہ سے زیادہ اپنی حالت پر قائم نہیں رہ سکتا بلکہ خاص میعاد پر اس کا جسم منتشر ہو جاتا ہے۔ اور اسی وجہ سے اس سے پیشتر انسان پر مختلف اقسام کی بیماریاں آتی ہیں یہاں تک کہ کمزور ہوتے ہوتے مر جاتا ہے۔ لیکن ہمارا خُداوند کمزور نہ تھا۔ وہ خُدا کی قدرت اور کلمہ اور خود حیات تھا۔ پس اگر وہ اپنے جسم کو تخلیہ میں کسی بسر مرگ پر اپنے سے علحدہ کر دیتا جیسا کہ بنی آدم کا قاعدہ ہے تو لوگ سمجھتے کہ اُس نے یہ اپنی فطرت کی کمزوری کے باعث سے کیا ہے۔ اور اُس میں اور اور آدمیوں میں کچھ فرق نہیں۔ لیکن چونکہ وہ حیات اور کلمۃ اللہ تھا اور ضرور تھا کہ سب کی خاطر مرے اس لئے اس کا جسم اس کی صحبت سے مضبوط اور طاقتور ہو گیا لیکن چونکہ موت ضرور تھی اس لئے اس نے جسمانی کمزوری کی راہ سے نہیں بلکہ اوروں کا ظُلم اٹھا کر اپنی قربانی کو چڑھانا پسند کیا۔ کلمہ کے کے لئے جو اوروں کی بیماریوں کو دور کرتا تھا مناسب نہ تھا کہ خود بیماری میں گرفتار ہو۔ مناسب نہ تھا کہ جسم کمزور ہو جائے جس میں ہو کر اس نے اوروں کمزوریوں کو زور سے بدل ڈالا۔

پھر اگر کوئی کہے کہ وہ بیماری کو روک سکتا تھا۔ پس کس لئے موت کو بھی نہ روکا۔ تو اس کا جواب یہ ہے موت سہنے ہی کی غرض سے تو اس نے جسم اختیار کیا تھا۔ پھر کیوں موت کو روکتا اور موت کو روکتا تو قیامت بھی رک جاتی۔ اور علاوہ اس کے موت سے پیشتر بیمار ہونا بھی اس کے لئے نامناسب تھا، کیونکہ اگر وہ بیماری قبول کر لیتا تو لوگ اس کے جسم کے ساتھ کمزوری کو منسوب کرتے۔

لیکن کیا اسے بھوک نہ لگتی تھی۔ بیشک لگتی تھی کیونکہ بھوک جسم کی خاصیت ہے۔ لیکن وہ بھوک سے ہلاک نہیں ہو سکتا تھا بسبب اس خُداوند کے جو اس جسم کو پہنے تھا پس گو وہ سب کا فدیہ دینے کے لئے مرا تاہم اس کا جسم سڑنے نہ پایا۔ بلکہ کل اعضاء واجزاء کو صحیح وسالم لے کر وہ زندہ ہوا۔ کیوں کہ وہ جسم اس کا جسم تھا جو خود حیات ہے۔

(۲۲) مسیح نے کس وجہ سے اوروں کے ہاتھ سے مرنا منظور کیا

شاید کوئی اور کہے کہ اگر وہ یہودیوں کی سازش وبندش سے بچ کر اپنے جسم کو مرنے سے محفوظ رکھتا۔ تو اچھا ہوتا۔ لیکن سنو اور سمجھو کہ ایسا کرنا بھی خُداوند کی شان کے لائق نہ ہوتا۔

کلمۃ اللہ چونکہ خود حیات تھا اس لئے اس کو مناسب نہ تھا کہ اپنے ہاتھ سے اپنے جسم کو قتل کرتا۔ اسی طرح اس کو یہ بھی مناسب نہ تھا کہ جب اور لوگ اس کو مارنا چاہتے تھے تو ان کے ہاتھ سے بچ نے کی کوشش کرتا۔ یہی بات اسی کی ذات کو شایان تھی کہ موت کی پیروی کر کے موت کو نیست کر دے۔ پس اس نے نہ خود بخود جسم کو اتار دیا۔ اور نہ یہودیوں کی سازش سے بچ نے سعی (کوشش) کی۔ ان میں سے کسی کام سے بھی یہ ثابت نہ ہوا کہ وہ کمزور تھا۔ بلکہ برعکس اس کے یہ ثابت ہوا کہ وہ نجات دہندہ اور حیات کا مالک ہے۔ کیوں کہ وہ اس بات کا تو منتظر رہا کہ موت اپنے وقت پر آ کر اس کے جسم کو تلف کرے اور جب وقت آ گیا تو اس موت کے سہنے میں جلدی کی جس کے باعث کل دُنیا نے نجات پائی۔

علاوہ بریں نجات دہندہ اس لئے نہ آیا کہ اپنی طرف سے مرے بلکہ اس لئے کہ اس میں کل بنی آدم کی موت پوری ہو۔ پس اس وجہ سے اس نے تخلیہ (تنہائی) میں مر کر اپنے جسم کو نہ اتارا۔ وہ تو خود حیات تھا۔ پس اس وجہ سے از خود موت کا مطیع نہ ہو سکتا تھا۔ لیکن اوروں کے ہاتھ سے موت کو لے لینا اس نے منظور فرمایا۔ تاکہ اپنے جسم میں موت کو لے کر اسے بالکل نیست نابود کر دے۔

دوم۔ ذیل کی وجوہات سے معلوم ہو سکتا ہے کہ کس لئے خُداوند کے جسم کا اس طور پر خاتمہ ہوا۔ جسم کی قیامت کا جسے وہ پورا کرنا چاہتا تھا خُداوند کو خاص خیال تھا۔ وہ چاہتا تھا کہ مردوں میں سے زندہ ہو کر ظاہر کرے کہ میں نے اپنی قیامت میں موت کو جیت لیا ہے۔ میری قیامت فتح کا ثبوت ونشان ہے۔ وہ چاہتا تھا کہ ظاہر کرے کہ ہلاک وفنا مٹا دی گئی ہیں۔ اور آیندہ بنی آدم کے اجسام پر غالب نہ آئے گی۔ ہلاکت کے موقوف کئے جانے اور سب کی قیامت کے ثبوت میں اس نے اپنے جسم کو سڑنے سے بچایا۔

پس اگر اس کا جسم مریض ہو جاتا اور اس وجہ سے سب کے سامنے کلمۃ اللہ یُوں رحلت کرتا تو محض نامناسب ہوتا۔ کیا ممکن تھا کہ جس نے اوروں کے امراض کو دور کیا اپنی مرض کی طرف سے غافل ہو کر اپنے جسم کو برباد ہونے دیتا۔ ہمیں کیوں کر یقین ہوتا کہ اس شخص نے دوسروں کی کمزوریوں کو دور کیا۔ جب کہ اس کے اپنے جسم کو کمزوری میں مبتلا دیکھتے۔ ایسی حالت میں ضرور ہوتا کہ اسے بیماری کے مقابل میں کمزور دیکھ کر لوگ اس پر ہنستے۔ یا کہتے کہ یہ شخص اپنے جسم پر رحم نہیں کرتا تو کیوں کر دوسروں پر رحم کرے گا۔ یا اگر اس قابل تھا اور ایسا نہ کرتا تھا تو لوگ کہتے کہ یہ شخص نہ اپنے جسم سے محبت رکھتا ہے نہ اوروں سے۔

(۲۳) مسیح نے علانیہ موت کیوں گوارا کی

پھر فرض کرو کہ بغیر کسی مرض یا درد کو سہے مسیح کا جسم تخلیہ میں مرنے کے بعد کسی جنگل یا مکان میں یا اور کہیں عرصہ تک پوشیدہ رہتا اور پھر دفعتاً ظاہر ہو جاتا اور وہ کہتا کہ میں مردوں میں سے اٹھایا گیا ہوں تو کیا سب سننے والے نہ کہتے کہ یہ تو قصہ کہانی ہے۔

اگر اس کی موت کا کوئی گواہ نہ ہوتا تو کون اس کی قیامت کو باور کرتا۔

ضرور تھا کہ قیامت سے پیشتر وہ مرے۔ اگر موت پہلے نہ ہو تو قیامت کیوں کر ہو سکتی ہے۔ پس اگر اس کے جسم کی موت کہیں پوشیدگی میں ہو جاتی اور اس کا کوئی گواہ نہ ہوتا تو اس کی قیامت بھی مہمل (فضول، بیکار) اور محتاج شہادت رہتی۔

علاوہ اس کے جب کہ اس نے زندہ ہو کر اپنی قیامت کو مشہور کر دیا تو کیا ضرورت تھی کہ وہ پوشیدگی میں مرتا۔ اس نے شیاطین کو علانیہ نکالا۔ مادر زاد اندھے (پیدائشی اندھا) کو علانیہ بصارت (دیکھنے کی قوت) بخشی۔ پانی کو مے سے تبدیل کر دیا۔ ان سب کاموں کے علانیہ کرنے سے اس کی یہ غرض تھی کہ دُنیا اسے کلمۃ اللہ تسلیم کرے۔

جب کہ یہ سب اس نے علانیہ کیا تو کیا ضرورت تھی کہ وہ اپنے جسم کو سڑنے کے ناقابل ثابت نہ کرتا۔ تاکہ بنی آدم مان لیں کہ یہی حیات و زندگی ہے۔ اگر اس کے شاگرد پہلے یہ نہ کہہ سکتے کہ ہمارا خُداوند مر گیا تھا تو قیامت کے مسئلہ کی اشاعت کی ہمت اس کو کہاں سے حاصل ہوتی۔

جن لوگوں کے سامنے رسولوں نے دلیری سے منادی کی اگر وہ مسیح کی موت کے شاہد (گواہ) نہ ہوتے تو رسولوں کا یہ کلام کیوں کر مانا جاتا کہ مسیح مر کر جی اُٹھا ہے۔

گو اس کی موت اور قیامت سب کے سامنے ہوئی تھی تاہم اس زمانہ کے فریسی ایمان نہ لائے۔ بلکہ انہوں نے ان لوگوں کو بھی جو اس کی قیامت کو دیکھ چکے تھے اس کا انکار کرنے پر مجبور کیا۔ اس حالت میں اگر وہ پوشیدگی میں مرتا اور جی اُٹھتا تو فریسی ایمان نہ لانے کے لئے اور بھی کتنے ہی بہانے بنا لیتے۔

موت کی شکست فقط ایک ہی طور پر ثابت ہو سکتی تھی۔ یعنے اس طور پر کہ سب کے روبرو موت مردہ دکھلائی جاتی۔ اور اپنے جسم کو سڑنے کے ناقابل ثابت کر کے وہ علانیہ دکھلا دیتا کہ موت بالکل بیکار ہو گئی ہے۔

(۲۴) کس وجہ سے مسیح نے اپنی موت کا طریق آپ نہ تجویز کیا

مناسب ہے کہ بعض اور اعتراضوں کے جواب بھی ہم پہلے سے تحریر کر دیں۔ ایک اعتراض یہ ہے۔ بالفرض یہ ضرور تھا کہ مسیح سب کے سامنے مرے تا کہ اس کی قیامت پر سب ایمان لے آئیں۔ تاہم بہتر ہوتا اگر وہ اپنے لئے موت کا کوئی باعزت طریقہ تجویز کرتا اور صلیب کی بے عزتی اپنے اوپر نہ لاتا لیکن اگر وہ ایسا کرتا بھی تو لوگ ضرور اس پر شک کرتے اور کہتے کہ وہ فقط ایک ہی قسم کی موت کے مقابلہ میں زبردست ہے۔ یعنے اس موت کے جس کو اس نے خود اپنے واسطے تجویز کیا۔ یوں بعضوں کو اس کی قیامت پر ایمان لانے کا عذر (بہانہ) مل جاتا۔ پس اس وجہ سے اس نے اپنی مرضی کے مطابق مرنا منظور نہ کیا بلکہ غیروں کی سازش اور بندش کو اپنے خلاف کامیاب ہونے دیا۔ تاکہ موت کو خواہ وہ کسی طریقہ اور صورت میں آئے بالکل موقوف کر دے۔ ہمت والا پہلوان بباعث اپنی عقل اور جرات کے یہ کہنا پسند نہیں کرتا کہ میں فلاں شخص کے خلاف زور آزمائی کروں گا اور فلاں کے خلاف نہ کروں گا۔ اگر وہ ایسا کرے تو فوراً اس کی جرات پر لوگوں کو شک ہو جاتا ہے۔ بلکہ وہ اپنے مخالف کا انتخاب ناظرین کے (خاص کر جب وہ اس سے مخالفت رکھتے ہوں) سپرد کر دیتا ہے اور جو کوئی اس کے سامنے لایا جائے اس کے ساتھ لڑ کر اور اس پر فتح پا کر ثابت کر دیتا ہے کہ میں سب سے زور آور ہوں۔ اسی طرح مسیح نے جو سب کی حیات اور ہمارا خُداوند اور منجی ہے اپنے لئے کوئی خاص موت پسند نہ کی مبادا لوگوں کو خیال گذرے کہ یہ کسی دوسری قسم کی موت سے ڈرتا اور خوف کھاتا ہے۔ بلکہ اس نے صلیب پر مرنا منظور فرمایا اور دوسروں کے مارنے سے مرا۔ اس نے اپنے تئیں دشمنوں کے حوالہ کیا اور اس موت سے مرا جو بڑی خوفناک اور بے عزتی کی موت سمجھی جاتی تھی۔ اور جس سے سب بہت ہی ڈرتے اور بچتے تھے اور اس خوفناک موت پر غالب کر اس نے ثابت کیا کہ میں حیات ہوں یوں اس نے موت کی طاقت کو آخر کار زائل کر دیا۔

پس دُنیا میں ایک عجیب اور حیرت افزا معاملہ ہوا ہے۔ دشمنوں نے مسیح کو بے عزتی کی موت سے مارا لیکن وہ بے عزتی کی موت اس کے لئے فتح اور عزت کا نشان بن گئی۔ وہ یوحنا کی طرح نہ مرا جس کا سر قلم کیا گیا۔ وہ یشعیاہ کی طرح نہ مرا۔ جو آری سے چیرا گیا بلکہ موت میں بھی اس نے اپنے جسم کو تقسیم نہ ہونے دیا۔ تاکہ ان کو جو کلیسیا کو تقسیم کرنا چاہتے ہیں کوئی بہانہ نہ ملے۔

(۲۵) کس وجہ سے مسیح صلیب پر مرا

مذکورہ بالا بیانات اور جوابات ہم نے ان لوگوں کے واسطے تحریر کئے ہیں جو کلیسیا کے باہر ہیں اور مختلف قسم کے دلائل اور اعتراض ایجاد کرتے ہیں۔ لیکن اگر کوئی مسیح بحث کی نہیں بلکہ تعلیم پانے کی غرض سے دریافت کرے کہ مسیح کیوں صلیب پر مرا اور کیوں اس نے مرنے کا کوئی دوسرا طریق پسند نہ کیا تو اس کو واضح ہو کہ ہماری خاطر۔ مسیح کو مناسب تھا کہ خاص اسی طور پر اپنی جان دے خُداوند نے بڑی عظمت کے ساتھ اس موت کو ہماری خاطر سہا۔ وہ اس لئے آیا کہ

(۱:۲۱) اس لعنت کو اُٹھائے جو ہمارے اوپر تھی۔

پس اگر وہ اس موت کو نہ سہتا جو اس لعنت کا نتیجہ تھی تو کس طرح ہماری خاطر لعنتی بن سکتا (گلتیوں ۳:۱۳) اور وہ موت صلیبی موت تھی۔ کیوں کہ لکھا ہے جو کوئی لکڑی پر لٹکایا گیا وہ لعنتی ہے (استثنا ۲۱:۲۳)۔

پھر اگر خُداوند کی موت سب کا فدیہ ہے اور اس کی موت سے جدائی کی دیوار جو بیچ میں تھی ڈھائی گئی ہے (افسیوں ۲:۱۴) اور غیر اقوام ایمان کی طرف بلائی گئی ہیں تو اگر وہ مصلوب نہ ہوتا تو کس طرح ہم کو بُلا سکتا۔ کیوں کہ فقط صلیب ہی پر آدمی اپنے ہاتھ پھیلائے ہوئے مر سکتا ہے۔ اس وجہ سے مناسب تھا کہ خُداوند صلیبی موت کو سہ کر ہاتھوں کو پھیلائے۔ ایک ہاتھ سے وہ اپنے قدیم لوگوں کو بُلاتا تھا اور دوسرے سے غیر اقوام کو تاکہ دونوں کو اپنے ساتھ ملا کر ایک کر دے۔ یہ اس نے خود بتلاتا اور ظاہر کیا کہ کس موت سے میں سب کا فدیہ دونگا۔ ''میں اگر زمین سے اونچے پر چڑھایا جاؤں گا تو سب کو اپنے پاس کھینچوں گا'' (یوحنا ۱۲:۳۲)۔

(۲۶) مسیح کس لئے تیسرے روز مُردوں میں سے جی اُٹھا

پس بلحاظ ہمارے فائدے کے مسیح کا صلیب پر مرنا عین مناسب اور لائق تھا اس کا سبب بھی ہر طرح سے معقول تھا۔ اور ایسے دلائل بھی ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ بغیر صلیبی موت کے سب کی نجات کا کام پورا نہ ہو سکتا تھا۔

وہ پوشیدگی میں نہ مرا۔ بلکہ صلیب پر علانیہ اور اس نے اپنے جسم کو بعد موت کے دیر تک مردہ حالت میں رہنے نہ دیا۔ بلکہ فوراً تیسرے دِن اُسے اُٹھایا۔ اور یوں اپنے جسم کو سڑے اور دکھ سہنے کے ناقابل بنا کر موت پر فتح یابی کی نشانی لے گیا۔

البتہ اس میں قدرت تھی کہ مرنے کے بعد فوراً زندہ ہو جائے۔ لیکن اس نے اپنی حُسن پیش بینی کے سبب ایسا نہ کیا۔ کیوں کہ اگر ایسا کرتا تو شائد بعض کہتے کہ وہ مرا ہی نہ تھا یا موت اس پر پوری طرح غالب نہ ہوئی تھی اس لئے موت کا وقوع ہوتے ہی قیامت کا وقوع میں آنا مناسب نہ تھا۔

اگر موت اور قیامت کے درمیان فقط دو دِن کا فاصلہ ہوتا تو بھی اس کے سڑنے کے ناقابل ہونے کا جلال پوری طرح ظہور نہ پاتا۔ پس یہ دکھلانے کے لئے کہ میرا جسم فی الحقیقت مر گیا ہے اس نے ایک پورے دن کا وقفہ ڈال دیا اور ٹھہرا رہا۔ اور تیسرے دِن سب کو دکھلا دیا کہ میرا جسم سڑنے کے ناقابل ہے۔ اپنی جسمانی موت کو ظاہر کرنے کے لئے اس نے اپنے جسم کو تیسرے روز اُٹھایا۔ اگر وہ اپنے جسم کو دیر تک قبر میں رہنے اور سڑنے دیتا اور بعد اس کے اسے قبر سے اُٹھاتا تو لوگ شک کرتے اور کہتے کہ یہ اصلی پُرانا جسم نہیں ہے بلکہ کوئی اور جسم ہے۔ اس کے دیر تک قبر میں رہنے سے لوگ اس کے ظہور کا یقین نہ کرتے اور پہلے کے واقعات کو بھول جاتے۔ پس وہ تین دِن سے زیادہ قبر میں نہ ٹھہرا۔ اور ان کو جنہوں نے اس کی قیامت کی پیش گوئی سنی تھی دیر تک انتظار کرنا پڑا۔ برعکس اس کے جب کہ ہنوز (صرف) اس کا چرچا بند نہ ہوا تھا اور ان کی آنکھیں منتظر تھیں اور ان کے دل داغ دار تھے۔ جب کہ اس کے قاتل زندہ تھے اور نزدیک بھی ہونے کے سبب سے خُداوند کے جسم کی موت کے گواہ تھے۔ تو خُدا کے بیٹے نے تیسرے روز اپنے جسم کو جو مر گیا تھا غیر فانی اور سڑنے کے ناقابل کر دکھلایا۔ سب پر ظاہر ہو گیا کہ فطرت کی کمزوری کے باعث وہ جسم نہ مرا تھا۔ کیوں کہ کلمۃ اللہ اس میں رہتا تھا۔ وہ اس لئے مرا کہ نجات دہندہ کی قوت سے موت اس جسم میں نیست کی جائے۔

(۲۷) مسیح کی موت سے موت مغلوب ہوئی

اس کا کہ موت موقوف (ملتوی، منسوخ) ہوئی اور صلیب نے اس پر فتح پائی۔ اور اس کا کہ موت میں اب کوئی اصلی قوت نہیں رہتی بلکہ اب وہ بالکل مردہ ہے یہ ثبوت اور نشان ہے کہ مسیح کے شاگرد اس کو بالکل حقیر سمجھتے ہیں۔ اور وہ اس پر حملے کرتے ہیں اور مطلق اس سے نہیں ڈرتے۔ بلکہ صلیب کے نشان اور مسیحی ایمان کی تاثیر اور قوت سے وہ اس کو مردہ ہی جان کر پامال کرتے ہیں۔ قدیم زمانہ میں یعنے ہمارے منجی کے ظہور سے پیشتر مقدس لوگ بھی موت سے خوف کرتے تھے اور دستور تھا کہ مردوں کے لئے یوں غم کیا جاتا تھا کہ گویا وہ بالکل ہلاک و معدوم ہو گئے ہیں (دیکھو ایوب ۱۸: ۱۴؛ زبور ۵۵: ۴؛ زبور ۸۸: ۱۰؛ زبور ۸۹: ۴۷؛ یسعیاہ ۳۸: ۱۸) لیکن اب منجی کے جسم کے اُٹھنے کے بعد موت خوفناک نہیں رہی۔ مسیح پر ایمان لانے والے موت کو بالکل حقیر سمجھ کر پامال کرتے ہیں۔ وہ اپنے مسیحی ایمان سے انکار کرنے کی نسبت موت کو زیادہ پسند کرتے ہیں۔ کیوں کہ وہ جانتے ہیں کہ موت ہمیں ہلاک نہیں۔ بلکہ زندگی میں داخل کرتی ہے اور بذریعہ قیامت کے ہم سڑنے کے ناقابل ہو جاتے ہیں۔ اب چونکہ موت کے بند کھولے گئے ہیں (اعمال ۲: ۲۴) شیطان جو قدیم سے موت کو دیکھ کر خوش ہوا کرتا تھا اکیلا مردہ اور موت کے بند میں گرفتار ہے۔ ثبوت اس کا یہ ہے کہ بنی آدم مسیح پر ایمان لانے سے پیشتر موت کو ہیبت ناک سمجھتے اور اس سے بے دل ہوتے تھے۔ لیکن ایمان اور تعلیم کے دائرے کے اندر آکر وہ موت کو اس قدر حقیر گردانتے ہیں کہ جوش میں اس کی طرف جھپٹتے ہیں۔ یوں وہ اس امر کے گواہ بنتے ہیں کہ منجی نے موت کو قیامت سے فتح کر لیا ہے۔

بچپن میں بھی وہ مرنے کے لئے جلدی کرتے ہیں۔ اور نہ فقط مرد بلکہ عورتیں بھی بذریعہ ریاضت کے اپنے کو موت کے مقابلہ میں مضبوط بناتی ہیں۔ موت ایسی کمزور ہو گئی ہے کہ عورتیں بھی جو پہلے اس کے فریب میں آجاتی تھیں اب اسے مردہ اور قوت سے محروم سمجھ کر اس پر ٹھٹھا کرتی ہیں۔

فرض کرو کہ کوئی ظالم باغی ہے جس کو کسی حقدار اور سچے شہنشاہ نے مغلوب کر لیا ہے اور ہاتھ پاؤں باندھ کر ایک جگہ ڈال دیا ہے جہاں سب اسے دیکھنے والے اس پر ہنستے ہیں مارتے اور برا بھلا کہتے ہیں۔ کوئی اس کے غصہ اور ظلم سے آپ خوف نہیں کھاتا۔ کیوں کہ حق دار بادشاہ اس پر فتح پا چکا ہے۔ اسی طرح نجات دہندہ نے صلیب پر سے موت کو فتح کر کے اس پر شکست کا داغ لگا دیا ہے۔ اس نے اس کے ہاتھ اور پاؤں باندھ دیئے ہیں۔ پس اب مسیح کے سب پیرو اس کے پاس سے گذرتے ہوئے اس کو پامال کرتے ہیں۔ اور مسیح کے گواہ ہو کر موت پر ہنستے اور تمسخر کرتے ہیں۔ اور ان الفاظ کو زبان سے کہتے ہیں جو موت کے خلاف لکھے ہیں "اے موت تیری فتح کہاں۔ اے برزخ تیرا ڈنک کہاں" (ہوسیع ۱۳: ۱۴)۔

(۲۸) موت پر مسیح کی فتح

پس موت کی کمزوری کا کیا یہ کوئی چھوٹا ثبوت ہے۔ یا اس فتح کا جو منجی نے موت کے خلاف حاصل کی ہے یہ کوئی ادنیٰ نشان ہے کہ نوجوان لڑکے اور لڑکیاں مسیح میں ہونے کے باعث اِس زندگی کے بعد دوسری زندگی کی امید رکھتے ہیں اور بذریعہ ریاضت اپنے تئیں موت کے لئے تیار کرتے ہیں۔

موت سے خوف کھانااور جسم کے انتشار سے ڈرناانسان کی فطرت میں ہے لیکن تعجب اس میں ہے کہ جو کوئی صلیبی ایمان سے ملبس ہے وہ اُس طبعی حرکت کو بھی ناچیز جان کر بباعث مسیح کے موت کے مقابلہ میں بزدل نہیں رہتا۔

جس ظالم باغی کا ذکر ہم پچھلے باب میں کر چکے ہیں اگر کوئی اسے بندھا ہوا دیکھا چاہے تو اس کے فاتح کے علاقہ اور سلطنت میں جائے وہاں اسے جو پہلے خوف کا باعث تھا کمزور اور لاچار دیکھے گا اسی طرح اگر کوئی باوجود اتنے دلائل اور شہیدوں کی شہادت کے اور مسیح کے مشہور شاگردوں کو ہر روز موت پر ہنستے دیکھنے کے بھی یقین نہیں لایا۔ اور ابھی تک اسے شک ہے کہ موت موقوف ہوئی یا نہیں ہوئی اور اس کا خاتمہ نہیں ہوا تو اس کے لئے یہی بہتر ہے کہ اس بڑے معاملہ پر تعجب ہی کرتا رہے۔

لیکن مناسب نہیں کہ کوئی بے ایمانی میں ضدی ہو جائے۔ اور ایسے صریح (صاف) واقعات سے غافل (بے خبر) رہے۔ جو کوئی ظالم باغی کو دیکھا چاہے اس کے فاتح کے ملک میں جائے۔ اسی طرح جو کوئی موت کو مغلوب دیکھا چاہے مسیح پر ایمان لائے اور اس کی تعلیم کو قبول کرئے وہ ضرور موت کی کمزوری اور صلیب کو اس پر فتح مند دیکھے گا۔ کیوں کہ بہتوں نے جو پہلے ایمان نہ لائے اور ہنستے تھے جب ایمان کو قبول کر لیا تو موت کو ایسا حقیر سمجھا کہ خود مسیح کے نام پر جان دے دی۔

(۲۹) صلیب کے نشان اور مسیح کے ایمان کا موت پر غالب آنا

پس جب کہ صلیب کے نشان اور مسیح پر ایمان لانے سے موت پامال کی جاتی ہے تو عین حق وانصاف کی رو سے عیاں ہے کہ فقط مسیح ہی ہے جس نے موت پر فتح پائی ہے۔ اور اس کی طاقت کو ختم کر دیا ہے۔ اور اگر موت پہلے قوی اور بوجہ اپنی قوت کے خوفناک تھی اور اب منجی کے اس دُنیا میں رہنے اور موت کے بعد جی اُٹھنے کے باعث حقیر ہو گئی ہے تو ظاہر ہے کہ اسی مسیح نے جو صلیب پر چڑھا موت کو نکمّا اور مغلوب کر دیا ہے۔

جب رات کے بعد آفتاب نکلتا ہے اور کل کرہ زمین روشن ہو جاتا ہے تو کوئی شک نہیں کرتا کہ یہ تمام روشنی آفتاب کی ہے۔ سب مان لیتے ہیں کہ آفتاب نے تاریکی کو دور کر کے کل اشیاء کو منور کر دیا ہے۔ اسی طرح چونکہ منجی کے نجات بخش جسمانی ظہور اور صلیب پر جان دینے کے بعد سے آج تک موت بالکل حقیر اور پست ہو گئی ہے تو یہ خوب ظاہر ہے کہ وہ نجات دہندہ ہی تھا جس نے جسم میں ظاہر ہو کر موت کو نیست و نابود کیا اور اپنی فتح کو اپنے مومنوں کے افعال و اقوال سے ہمیشہ ظاہر کرتا ہے ہم دیکھتے ہیں کہ ایسے آدمی جو اپنی فطرت سے کمزور ہیں موت کے اوپر خود پل پڑتے ہیں جسم کے اس انتشار اور سڑنے سے جو موت کا نتیجہ ہے مطلق نہیں ڈرتے برزخ (وہ عالم جس میں مرنے کے بعد دے قیامت تک روحیں رہیں گی) میں اترنے سے ان کو خوف نہیں آتا اور موت کے عذاب سے بچنے کی کوشش تو کیسی برعکس ان کے روحانی جوش میں اسے آپ اپنے اوپر برانگیختہ (طیش میں بھرا ہوا، مشتعل) کرتے ہیں۔

مسیح کی خاطر اس زندگی کی نسبت موت ان کو زیادہ پسند ہے مرد عورتیں اور کم سن بچے مسیحی دین کی خاطر موت کا مقابلہ کرتے بلکہ موت پر جھپٹتے ہیں۔ باوجود ایسی شہادتوں کے کون ایسا سادہ لوح یا بے ایمان یا خفیف العقل (کم عقل) ہے کہ تسلیم نہ کرے کہ موت پر ایسی فتح فقط اس مسیح کی طرف سے عنایت ہوتی ہے۔ جس پر وہ گواہی دیتے ہیں وہی موت کو ان لوگوں کے حق میں جو اس پر ایمان لائے اور اس کی صلیب کے نشان کو اپنے اندر رکھتے ہیں کمزور کر دیتا ہے۔

سانپ ایک بڑا تند اور خوفناک جانور ہے۔ لیکن جب ہم دیکھتے ہیں کہ لوگ اس کو بے خوف پامال کر رہے ہیں تو ہمیں فوراً یقین ہو جاتا ہے کہ وہ بالکل کمزور ہو گیا ہے یا مر گیا ہے اگر کوئی لڑکوں کو شیر ببر پر ٹھٹھا کرتے ہوئے دیکھے تو ضرور کہے گا یا تو یہ شیر مردہ ہے بالکل کمزور ہے۔ پس جب ہم دیکھیں کہ مسیح کے پیرو موت کو حقیر جانتے اور اس کی کچھ پروا نہیں کرتے تو کیوں کر یقین نہ کریں کہ مسیح کہ موت میں موت مغلوب ہوئی وہ انتشار اور سڑنا جو موت کا نتیجہ تھا اب موقوف ہو گیا ہے۔

(۳۰) مسیح کی قدرت اور اس کے کام اس کی قیامت کا ثبوت ہیں

اس امر کا ثبوت کہ موت موقوف کی گئی اور خُداوند کی صلیب موت پر فتح کا نشان ہے گذشتہ بابوں میں دیا گیا ہے۔ لیکن خُداوند کے جسم کی جو سب کا منجی اور حقیقی زندگی ہے لازوال قیامت کا ثبوت بعض صریح واقعات سے نکلتا ہے جس کی شہادت روشن دماغ لوگوں کے لئے لفظوں کی شہادت سے قوی ہے۔

یہ ظاہر ہو گیا ہے کہ موت موقوف ہوئی اور مسیح کی مدد سے سب اس کو پامال کرتے ہیں۔ پس ضرور ہے کہ خود مسیح نے اپنے جسم میں اس کو پامال اور نیست کیا ہو جب اس نے موت کو مارا تو فقط یہی باقی تھا کہ وہ اپنے جسم کو اُٹھائے اور اسے اپنی فتح کا نشان بنا کر سب کو دکھائے اگر خُداوند کا جسم اُٹھایا نہ جاتا تو کیوں کر معلوم ہوتا کہ موت مغلوب ہوئی ہے۔ لیکن اگر اس کی قیامت کا یہ ثبوت کسی کے لئے کافی نہ ہو تو ذیل کے واقعات پر غور کرے۔

جب آدمی مر گیا تو بعد مرنے کے کچھ کر نہیں سکتا اس کا اثر قبر تک جاتا ہے۔ اور وہاں ختم ہو جاتا ہے ایسے کام اور افعال جن کا اثر آدمیوں پر ہو سکتا ہے فقط زندوں ہی کے بس میں ہیں اب جو کوئی چاہے دیکھے اور انصاف کرے اور جو کچھ نظر آتا ہے اس کے مطابق فیصلہ کرے۔

ہمارا منجی بڑے بڑے کام کر رہا ہے۔ وہ ہر روز ہزاروں کو اپنی طرف کھینچتا ہے۔ یونانی اور اجنبی سب کے سب اس پر ایمان لاتے اور اس کی تعلیم کو قبول کرتے جاتے ہیں۔ پس کیا کوئی اس میں شک کر سکتا ہے کہ منجی مردوں میں اُٹھا ہے۔ کون یہ کہنے کی جرات کر سکتا ہے کہ مسیح زندہ نہیں یا یہ کہ وہ خود حیات کا سرچشمہ نہیں۔ کیا مردے میں قوت ہے کہ زندوں کے دلوں کو قابو کرے اور ان کو آمادہ کرے کہ اپنے آبائی قوانین کو ترک کر کے مسیح کی تعلیم کی تعظیم کریں۔ یا فرض کرو کہ اس کا کام اب بند ہو گیا ہے۔ اور اس میں شک نہیں کہ موت انسان کے کام کو بند کر ہی دیتی ہے۔ تو یہ قوت اس میں کہاں سے آئی کی زندوں کے افعال کو روکے۔ کیوں کہ کچھ شک نہیں کہ وہ زانیوں کو زنا کرنے سے روکتا ہے۔ خونیوں کو خون کرنے سے باز رکھتا ہے۔ ناراستوں کو طمع (لالچ) سے بچاتا ہے اور بے دینوں کو دین دار بناتا ہے۔ اگر وہ زندہ نہیں ہوا بلکہ اب تک مردہ ہے تو کیوں کر جھوٹے معبودوں کو ان کے درجہ سے گرا کر تباہ کر دیتا ہے اور کس ذریعہ سے شیاطین کی پرستش کو

نیست و نابود کر رہا ہے۔ کیوں کہ جہاں مسیح کا چرچا ہے اور اس کا ایمان پایا جاتا ہے وہاں سے بت پرستی دور ہو جاتی ہے۔ شیاطین کے سب فریب ٹوٹ جاتے ہیں۔ بلکہ یہاں تک اس کا زور ہے کہ شیاطین اس کا نام سننے کی تاب نہ لا کر بھاگ جاتے ہیں۔

یہ تو عجیب ہنسی کی بات ہو گی اگر کوئی کہے کہ وہ شیاطین جن پر وہ جبر کرتا ہے اور بت جن کو وہ نیست و نابود کرتا ہے زندہ ہیں۔ لیکن وہ جو ان کو نکالنے پر قادر اور اپنی قوت سے ان کو نابود کر سکتا ہے اور جس کو سب خُدا کا بیٹا تسلیم کرتے ہیں مردہ ہے۔

(۳۱) مسیح کی قیامت کے سبب سے دیوتاؤں اور شیاطین کا مغلوب ہونا

جو لوگ مسیح کو قیامت کو نہیں مانتے وہ اپنے دعویٰ کو اس صورت میں خود باطل کرتے ہیں کہ جو جنّوں اور دیوتاؤں کو پوجتے ہیں اس کو اس مسیح کو زیر کرنے والا ثابت نہیں کرتے جو ان کے نزدیک مردہ ہے بلکہ برعکس اس کے کہہ سکتے ہیں کہ مسیح انہی کو مردہ ثابت کرتا ہے۔ مردہ سے تو کوئی کام نہیں ہو سکتا۔ مگر مسیح ہر روز بڑے بڑے کام کرتا ہے وہ آدمیوں کو دین داری اور نیکی کی طرف راغب کرتا ہے۔ ان کو بقا کی تعلیم دیتا اور سکھاتا ہے کہ آسمانی چیزوں کی تلاش کریں۔ وہ باپ کی پہچان بخشتا اور موت کے برخلاف آدمی کو مضبوط کرتا ہے۔ وہ اپنے آپ کو ہر مومن پر ظاہر کر کے بت پرستی کی بے دینی کو دُنیا سے زائل (دور ہونے والا، کم ہونے والا) کر رہا ہے۔ بے ایمانوں کے فرضی دیوتا اور جن ایسے کام نہیں کر سکتے۔ بلکہ وہ تو مسیح کے سامنے مردہ ہو جاتے ہیں۔ ان کا سارا دکھلاوا اور سحر (جادو) باطل ہو جاتا ہے۔ اس کے زور کے مقابل بت پرستی بند ہو جاتی ہے۔ اور تمام ناروا اور خلافِ عقل عیش و عشرت موقوف ہو جاتی ہے۔ ہر شخص زمین سے آسمان کی طرف دیکھتا ہے۔

پس اب ہم کس کو مردہ گنیں۔ کیا مسیح کو جو یہ سب کچھ کرتا ہے۔ کام کرنا تو نہ مردوں کی خاصیت ہے نہ اس وجود کی جو جنّوں اور بُتوں کی طرح بے تاثیر اور بے جان پڑا رہتا ہے۔

ابن اللہ تو زندہ اور موثر ہے (عبرانیوں ۴: ۱۲) وہ ہر زور کام کرتا اور سب کو نجات بخشتا ہے۔ موت ہر روز کمزور ٹھہرائی جاتی ہے۔ بت اور شیاطین مرتے جاتے ہیں۔ اور بمشکل ہی اب کسی کو مسیح کے جسم کی قیامت پر شک باقی ہو گا۔

اب جو کوئی خُداوند کے جسمکی قیامت پر شک کرتا ہے کلمۃ اللہ اور کلمۃ اللہ کی قوت اور خُدا کی حکمت کو نہیں جانتا ہے۔ کیوں کہ جب اس نے جسم لیا اور جسم لینے کے نتائج کو بھی اختیار کر لیا تو اُس جسم کا کیا حال ہونا چاہئے تھا۔ اس جسم کی کیا حالت ہونی تھی بعد اس کے کہ کلمۃ اللہ نے اسے اپنا مسکن بنا لیا تھا۔ مرنا تو اسے لازم تھا کیوں کہ وہ جسم فانی تھا اور سب کے بدلے موت کے حوالہ کیا گیا تھا۔ کہ اسی غرض سے منجی نے اس کو اپنے لئے تیار کیا تھا۔ لیکن برعکس اس کے وہ موت کی حالت میں ہمیشہ نہ رہ سکتا تھا۔ کیوں کہ وہ حیات کا مسکن بن گیا تھا۔ پس فانی ہونے کے سبب سے تو وہ مر گیا لیکن اس حیات کے باعث جو اس میں تھی پھر زندہ بھی ہو گیا۔ اور اس کے کام اس کی قیامت کا ثبوت ہیں۔

(۳۲) مسیح کی قیامت کا ثبوت اس کی تاثیر سے

فرض کرو کوئی کہے کہ مسیح کو اب میں دیکھ نہیں سکتا اس لئے اس کی قیامت کو تھی تسلیم نہ کروں گا۔ تو اس دلیل کے مطابق لازم آئے گا کہ فطرت کی روش بھی تسلیم نہ کی جائے۔ خُدا کی عین صفت یہی ہے کہ غیر مرئی (وہ چیز جو دیکھائی نہ دے) ہو مگر اپنے کاموں سے پہچانا جائے اگر مسیح کا کام ظاہر نہ ہوتا اسے اختیار تھا کہ اس کی قیامت کو بھی نہ مانتا۔ لیکن اب تو اس کے کام باآواز بلند پکار کر ثبوت اس کی قیامت کا دے رہے ہیں۔

پس اب مخالف کیوں جان بوجھ کر اس کی ایسی مسلم الثبوت (مستند دلائل) قیامت کا انکار کرتے ہیں۔ اگر مخالفوں کی عقل جاتی بھی رہی ہو تاہم حواس خمسہ (پانچ حواس دیکھنے۔ سُننے۔ سونگھنے۔ چکھنے اور چھونے کی پانچ قوتیں) کے ذریعہ مسیح کی خُدائی کی یقینی طاقت کا محسوس کرنا ممکن ہے۔

اندھا آدمی گو آفتاب (سورج) کو دیکھ نہیں سکتا تاہم بذریعہ اس کی حرارت کے جانتا ہے کہ آفتاب زمین کے اوپر ہے اسی طرح ہمارے مخالفوں کو لازم ہے کہ گو وہ سچائی کی طرف سے نابینا ہونے کی وجہ سے ایمان نہ بھی لائیں تاہم اس کی تاثیر کو جو مومنوں میں ظاہر ہے دیکھ کر مسیح کی خُدائی کے انکار سے توبہ کریں اور اس کی قیامت کو تسلیم کر لیں۔

کیوں کر ظاہر ہے کہ اگر مسیح مردہ ہوتا تو نہ شیاطین کو نکال سکتا نہ بُتوں کو تباہ کر سکتا۔ کیا شیاطین مُردہ کے حکم کو مانتے؟ پس جب کہ وہ اس کے نام کی تاثیر سے خارج کئے جاتے ہیں تو ظاہر ہے وہ مردہ نہیں ہے۔ شیاطین تو غیبی معاملات سے بھی واقف ہیں اور اس لئے ان چیزوں کو دیکھ سکتے ہیں جن تک آدمی کی بصارت کی پہنچ نہیں۔ پس ان کو خوب معلوم ہے کہ آیا مسیح مُردہ ہے یا زندہ۔ اگر وہ اس کو مُردہ جانتے تو ہرگز اس کی اطاعت نہ کرتے۔ لیکن اب وہ باتیں جن کو بے دین آدمی تسلیم نہیں کرتے شیاطین تک تسلیم کر رہے ہیں۔ شیاطین جانتے ہیں کہ وہ خُدا ہے اِسی وجہ سے وہ اِس سے بھاگتے ہیں اور اس کے حضور گر پڑتے ہیں۔ جب کہ وہ ساتھ جسم کے اس دُنیا میں موجود تھا تو وہ یوں پکار کرتے تھے "ہم جانتے ہیں کہ تو کون ہے۔ تو خُدا کا قدوس ہے" (لوقا ۴: ۳۴)۔ اے خُدا تعالیٰ کے بیٹے مجھے تجھ سے کیا کام۔ میں تیری منت کرتا ہوں مجھے نہ ستا" (مرقس ۵: ۷)۔

پس شیاطین کے اقرارات اور روزمرہ کے واقعات کی گواہی سے ظاہر ہے (کون ایسا بے شرم ہے کہ اب بھی انکار کی جرات کرے) کہ منجی نے اپنے جسم کو مرنے کے بعد زندہ کیا ہے کہ وہ فی الحقیقت ابن اللہ اور باپ کی ہستی میں سے ہستی رکھنے والا۔ یعنی اس کا اپنا کلمہ اور حکمت اور قوت ہے۔ اِن آخری دنوں میں اس نے سب کی نجات کے لئے جسم لیا اور باپ کی واقفیت دُنیا کو بخشی۔ اس نے موت کو نیست کر کے بذریعہ قیامت کے وعدہ کے سب کو بقا کا فضل مفت بخشا اس نے پہلے اپنے جسم کو زندہ کر کے قیامت کا پہلا پھل دکھلایا اور صلیب کو موت اور فنا کی شکست کا نشان اور اپنی فتح کا جھنڈا قرار دیا۔

(۳۳) کلمۃ اللہ کا جسم میں ظاہر ہونا خلاف عقل نہیں

ہمیں یونانیوں پر تعجب آتا ہے کہ وہ ان باتوں پر تمسخر کرتے ہیں جو قابلِ تمسخر نہیں اور اپنی بے شرمی کی خبر نہیں لیتے جس کا لکڑی اور پتھر کے بتوں کی صورتوں میں صریحاً اظہار کر رہے ہیں۔ لیکن چونکہ ہمارا عقیدہ دلائل سے خالی نہیں اس لئے ہم ان کو ایسی معقول دلیلوں سے قائل کریں گے جو بالخصوص دیکھی ہوئی چیزوں سے کی گئی ہیں۔ پس اوّل ہم پوچھتے ہیں کہ ہمارے مسئلہ میں ایسی کونسی بات ہے جس پر کوئی تمسخر کر سکے۔

کیا ہمارا یہ دعویٰ کہ کلمۃ اللہ جسم میں ظاہر ہوا ہے ان کو بُرا معلوم ہوتا ہے۔ اگر وہ حق سے محبت رکھتے ہیں تو انہیں ضرور ماننا پڑے گا کہ اس امر حق میں کوئی ایسی بات نہیں جو عقل کے خلاف ہو۔

اگر وہ کلمۃ اللہ کے وجود کا ہی انکار کریں تو یہ انکار بھی فضول اور غلط ہے اور وہ جس بات کو نہیں جانتے اس پر ہنستے ہیں۔ لیکن اگر وہ کلمۃ اللہ کے وجود کے قائل ہیں اور اس کو عالم کا حالم مانتے ہیں اور تسلیم کرتے ہیں کہ خُدا باپ نے اسی کی معرفت مخلوقات کو خلق کیا اور وہی عالم کا نور ہے۔ اگر ان کو یہ ماننا منظور ہے کہ زندگی اس میں ہے اور سب چیزوں پر حکومت کرتا ہے اور وہ اپنے انتظام و قدرت کے کاموں کے ذریعہ سے پہچانا جاتا ہے اور باپ اس کے ذریعہ سے۔ تو اس کے تجسم کو جان لینا ان کے لئے چنداں (کچھ) مشکل نہ ہونا چاہئے۔

یونانی فیلسوف (عالم، دغاباز) کہتے ہیں کہ کل عالم ایک جسم ہے۔ ان کا یہ دعویٰ صحیح ہے کیوں کہ اس جسم کے اجزا کو ہم اپنے حواس خمسہ سے محسوس کر سکتے ہیں۔ پس اگر کلمۃ اللہ اس بڑے عالم میں جو ایک جسم ہے سکونت رکھتا ہے اور اس کے کل اور ہر جزو میں بھی موجود ہے تو ہمارے اس دعویٰ میں کہ وہ ایک انسانی جسم میں آیا کون سی بات حیرت کی یا خلافِ عقل ہے۔ اگر اس کا ایک انسانی جسم میں سکونت کرنا محال ہے تو یہ بھی محال ہے کہ وہ کل عالم میں ہو کر اس کو منور کرتا اور اپنے انتظام سے کل اشیاء کو حرکت دیتا ہے۔ کیوں کہ عالم یونانیوں کے اپنے ہی عقیدے کے موافق ایک جسم ہے۔ اگر عقل اس کو تسلیم کر سکتی ہے کہ کلمۃ اللہ کل عالم میں ہے اور کل عالم میں پہچانا جاتا ہے تو اس کو بھی تسلیم کر سکتی ہے کہ اس نے اپنا ظہور ایک ایسے انسانی جسم میں دیا جس کو اس نے اپنے نور و طاقت سے منور و قوی کیا۔ کیا نسل انسانی کل عالم کا ایک جزو نہیں ہے۔ پس اگر عالم کے ایک حصہ کے لئے اس کا مظہر بنانا مناسب ہے تو کل عالم اس کا مظہر سمجھنا اس سے زیادہ نامناسب ہے۔

(۳۴) کلمۃ اللہ کا ظہور کائنات میں اور جسم میں

آدمی کی قوت کل جسم میں پھیلی ہوئی ہوتی ہے۔ پس اگر کوئی کہے کہ پاؤں کی انگلی میں اس قوت کا ذرا سا حصہ بھی نہیں ہے تو ہم ضرور اس کو دیوانہ سمجھیں گے۔ کسی صفت کو کل کے ساتھ منسوب کرنا اور جزو کے ساتھ اس کو منسوب کرنے سے انکار کرنا خلافِ عقل ہے۔ اسی طرح کلمۃ اللہ کو کل عالم میں حاضر تسلیم کر لینا اور ساتھ ہی اس کے یہ کہنا کہ اس کا ایک انسانی جسم میں سکونت کرنا محال ہے عقلمندوں کا کام نہیں ہے۔ لیکن شائد کوئی کہے کہ انسان ایک مخلوق ہے اور اس وجہ سے نجات دہندہ انسانی جسم میں ظاہر نہ ہو سکتا تھا۔ اگر ہم اس اعتراض کو صحیح مان لیں تو یہ بھی مان لینا پڑے گا کہ کلمۃ اللہ کل عالم میں ظاہر نہیں ہو سکتا۔ کیوں کہ کل عالم

بھی مخلوق ہے۔ کلمۃ اللہ عالم کو عدم سے وجود میں لانے والا ہے۔ جس شے کا اطلاق کل کے ساتھ ہے اس کا اطلاق جزو کے ساتھ بھی ہو سکتا ہے۔ عالم کا جو کل ہے انسان صرف ایک جزو ہے۔ پس کسی صورت سے کلمۃ اللہ کا انسانی جسم میں آنا محال نہیں ٹھہر سکتا۔ کیوں کہ ہر شے اسی سے حرکت پاتی اور منور ہوتی ہے۔ سب کی زندگی اس سے اور اس میں ہے۔ اور یہ کسی یونانی نے خود کہا ہے کیوں کہ اسی میں ہم جیتے اور چلتے پھرتے اور موجود ہیں۔

اگر وہ چاہتا تو اپنے آپ کو باپ کو آفتاب یا ماہتاب میں آسمان یا زمین مٹی پانی یا آگ میں ظاہر کر سکتا تھا۔ کیونکہ وہ ہر شے میں حاضر و ناظر اور ہر کل اور جزو میں موجود ہے۔ اور بن دیکھے اپنے آپ کو ظاہر کرتا ہے۔ لیکن اس نے یہ پسند کیا کہ ایک جسم میں بصورت انسان ظاہر ہو اور اسی طرح باپ کے علم اور سچائی کو منکشف کرے۔ چنانچہ بشریت فی الحقیقت عالم کا ایک جزو ہے۔

قوت متخیلہ (سوچنے کی قوت) جس کا عمل تمام جسم انسان پر ہے فقط بذریعہ ایک خاص حصے یعنی زبان کے ظہور پاتی ہے۔ اسی طرح کلمۃ اللہ جو کل اشیاء میں موجود ہے اگر ایک جسم کے ذریعہ سے ظاہر ہوا۔ تو اس کو کون خلاف عقل قرار دے سکتا ہے۔

(۳۵) کلمۃ اللہ نے جسم انسانی ہی کس لئے اختیار کیا

اگر کوئی پوچھے کہ اُس نے کس لئے اپنے آپ کو مخلوقات کے کسی بڑے اور اشرف حصہ میں ظاہر نہ کیا۔ یعنی آفتاب یا ماہتاب یا ستارہ یا آگ یا ہوا میں تو ہمارا جواب یہ ہے کہ وہ نمود کے لئے نہ آیا تھا۔ بلکہ اس لئے کہ مظلوموں اور مصیبت زدوں کو صحت اور شفا اور ہدایت بخشے۔ جو کوئی نمود ہی چاہتا ہے وہ لوگوں کو اپنے نمود سے حیرت زدہ کر کے چل دیتا ہے۔ لیکن جو صحت اور ہدایت بخشنے آتا ہے وہ نہ صرف تھوڑا سا عرصہ ٹھیرتا ہے بلکہ محتاجوں کی مدد کرتا ہے اور ایسے طور پر ظاہر ہوتا ہے کہ لوگ اس کی برداشت کر سکیں۔ اور وہ اپنی فیاضی سے محتاجوں کو گھبراہٹ میں ڈال کر خُدا کے انکشاف کو بے سود نہیں کرتا۔ خُدا کی کل مخلوقات میں فقط انسان ہی نے اپنے خالق کی پہچان میں غلطی کی تھی۔ اس غلطی اور گمراہی میں آفتاب، ماہتاب، ستارے اور سمندر اور ہوا شامل نہ تھے۔ وہ کلمۃ اللہ اپنے خالق و بادشاہ کو جان کر اپنی مناسب حالت پر قائم رہے۔ فقط بنی آدم نے نیکی سے ہٹ کر اپنے لئے سچائی کے عوض فرضی معبود بنا لئے تھے۔ جو عزت خُدا کا حق تھی اسے انہوں نے جنوں اور پتھر پر کھدی ہوئی آدمیوں کی مورتوں کو دے دیا تھا۔ خُدا ایسی گمراہی اور ٹیڑھے پن سے قطع نظر نہ کر سکتا تھا۔ ایسا کرنا اس کی نیکی کے خلاف تھا۔ لیکن چونکہ بنی آدم اس کو محسوس نہ کر سکتے تھے اور اس کی حکومت کی پہچان سے محروم تھے اس نے اپنی مخلوقات کے ایک حصہ کو اپنا مظہر بنایا۔ اس نے انسانی جسم لیا اور نیچے اترا۔ کل میں تو وہ اس کو پہچان نہ سکتے تھے اس لئے اس نے اپنے آپ کو جزو میں ظاہر کیا۔ ایک مرئی صورت میں وہ ان پر ظاہر ہوا۔ اُس نے ان کا جسم لیا تاکہ اس کی خُدائی کاموں سے جو اس نے جسم میں رہ کر کئے تھے وہ پہچانیں کہ یہ بشر کے کام نہیں۔ بلکہ خُدا کے ہیں۔

لیکن اگر یونانیوں کی رائے کے مطابق کلمۃ اللہ کا اپنے تئیں جسم کے کاموں کے ذریعہ سے ظاہر کرنا محال تھا تو عالم کے کاموں میں اس کا ظہور بھی محال ہونا چاہیے وہ عالم میں ہونے کے باعث مخلوق نہیں ہو جاتا۔ برعکس اس کے عالم اس کی قوت سے بہرہ ور ہوتا ہے۔ اسی طرح جب اس نے جسم کو ایک آواز کے طور پر استعمال کیا تو جسم کی خواص اس کی ذات میں دخل نہ کر گئی۔ بلکہ اس نے جسم کو پاکیزگی اور سرافرازی بخشی۔

افلاطون جس کی یونانیوں میں بڑی تعظیم ہے یوں کہتا ہے:۔ عالم کے خالق نے دیکھا کہ دُنیا طوفان کی موجوں میں سر گردان اور ابتری کے سمندر میں غرق ہونے کے خطرے میں ہے یہ دیکھ کر اس نے دُنیا کی پتوار کو (یعنی زندگی کے اصول کو) پکڑا اور اپنی مدد سے اس کی تمام غلطیوں کو صحیح کیا۔

جب کہ افلاطون یہ کہتا ہے تو ہمارا دعویٰ کس طرح غلط ہے۔ وہ دعوے یہ ہے کہ جب نسل انسان گمراہ ہو گئی تو کلمۃ اللہ نازل ہوا۔ اس نے آدمی کی صورت میں ظاہر ہو کر دینی ہدایت اور مدد سے اس طوفان زدہ جہاز کو بچایا۔

(۳۶) خُدا نے محض حکم سے انسان کو بحال کیوں نہ کیا

معترض کا مونہ بند کرنا مشکل ہے۔ شائد کوئی کہے گا کہ اگر خُدا کی مرضی تھی کہ بنی آدم کو نجات وراستی بخشے تو کیوں اس نے فقط ایک حکم نہ دے دیا وہ تو سب کام فقط اپنی قدرت و حکم سے کر سکتا ہے۔ کیا ضرورت تھی کہ اس کا کلمہ ایک جسم کے ساتھ تعلق پیدا کرے۔ خُدا تو محض اپنے حکم سے موجودات کو عدم سے وجود میں لایا ہے۔ اس اعتراض کا جواب یہ ہے کہ ابتدا میں جب کچھ نہ تھا تو صرف اس بات کی ضرورت تھی کہ خالق اپنے حکم سے دُنیا کو وجود بخشے لیکن جب انسان پیدا ہو کر بگڑ گیا تو موجودہ اشیاء کے علاج کی حاجت تھی۔ نہ اس کی کہ کوئی نئی شے عدم سے وجود میں لائی جائے۔ اس لئے اس بگاڑ کی اصلاح کے واسطے کلمۃ اللہ انسان بنا۔ اسی وجہ سے اس نے جسم بشری کو ایک اوزار کے طور پر استعمال کیا۔ لیکن اگر اس کو ایسا کرنا روانہ تھا تو اور کون سا اوزار تھا جس کو وہ اپنے مقصد کے لئے برت (استعمال) سکتا تھا۔ موجودہ اوزاروں کو چھوڑ کر وہ کون سے اوزار کو لیتا۔ بنی آدم اسی بات کے محتاج تھے کہ اس کی الوہیت انسانی جسم میں اپنا جلوہ دکھا۔ اگر معدوم چیزوں کو معدومی کی حالت سے نکالنا تھا تو فقط ایک حکم کفایت کرتا لیکن انسان معدوم نہ تھا بلکہ موجود تھا اور اپنے گناہوں سے اپنے آپ کو تباہ کر رہا تھا۔ پس ظاہر ہے کہ کلمۃ اللہ نے عین مناسب کام کیا جب ایک انسانی جسم کو اپنا اوزار بنا کر یا اپنے آپ کو منکشف کیا۔

پھر غور کرو کہ جو بگاڑ علاج کا محتاج تھا وہ جسم کے باہر نہ تھا بلکہ اس کے اندر جمع ہو رہا تھا۔ پس اِس بات کی ضرورت تھی کہ عین اس جگہ میں جہاں وہ بگاڑ تھا زندگی آکر اپنا گھر کر لے۔ تاکہ جس طرح موت بذریعہ جسم کے آئی تھی اسی طرح اب حیات اسی کے اندر رہے۔ اگر موت جسم کے باہر ہوتی تو زندگی تھی باہر سے اس کے لئے مہیا ہو سکتی تھی۔

لیکن جب کہ موت جسم میں حلول (ایک چیز کا دوسری چیز میں اس طرح ہونا کہ دونوں میں تمیز نہ ہو سکے) کر کے اس کو مغلوب کر رہی تھی تو ضرور ہوا کہ زندگی بھی اس جسم میں حلول کرے اور اس کو لائق کر دے کہ زندہ ہو کر بگاڑ کو اپنے اندر سے خارج کر سکے۔

علاوہ اس کے اگر کلمۃ اللہ صرف جسم کے باہر آتا نہ اس کے اندر داخل ہو کر تو البتہ اپنی قدرت سے وہ موت کو مغلوب کر سکتا تھا۔ کیوں کہ حقیقی موت زندگی کے مقابلہ میں کچھ حقیقت نہیں رکھتی۔ لیکن اس حالت میں وہ بگاڑ جو جسم میں دخل پا چکا تھا اس کے اندر ہی رہ جاتا لیکن نجات دہندہ کا جسم کو پہن لینا عین مناسب تھا۔ تاکہ زندگی کے جسم میں حلول کرنے کی وجہ سے جسم باوجود فانی ہونے کے موت کے قبضہ میں نہ رہے۔ بلکہ بقا سے ملبس ہو کر قیامت اور بقا کا وارث

بنے۔ کیوں کہ کلمۃ اللہ کا اختیار کیا ہوا جسم جب فانی تھا تو بغیر حلول زندگی کے مردوں میں سے اُٹھ نہیں سکتا تھا۔ علاوہ اس کے موت فقط جسم ہی میں ظاہر ہو سکتی ہے۔ اس لئے اس نے جسم پہنا۔ تاکہ جسم میں سے موت کو مٹادے۔ فانی کو زندہ کرنے سے خُداوند نے اپنے آپ کو حیات کا مالک ثابت کیا۔

بھوسی ایک جلنے والی شے ہے۔ جس کو آگ سے محفوظ رکھ کر جلنے سے بچانا پڑتا ہے تاہم اس کی خاصیت وہی رہتی ہے۔ اور جب آگ اس کے نزدیک آئے گی وہ جل جائے گی۔ لیکن فرض کرو کہ ہم بھوسے کو کسی ایسی چیز کے اندر رکھ دیں جس پر آگ اثر نہیں کر سکتی۔ تب بھوسی بھی جلنے سے بچی رہے گی۔ جسم اور موت کے تعلق کی یہ ایک مثال ہے۔ اگر خُداوند موت کو فقط اپنے ایک حکم سے دور رکھتا تو باوجود اس کے بھی اس کا جسم فانی اور باقی کل اجسام کی خاصیت کے مطابق سڑنے کے قابل رہتا۔ لیکن اس فانی خاصیت کو دور کرنے کے لئے اس نے غیر مجسم کلمۃ اللہ کو پہن لیا۔ پس اب جسم موت یا سڑنے سے خوف نہیں کھاتا اور چونکہ اس کو زندگی کا لباس پہنایا گیا ہے بگاڑ ان میں سے دور ہو گیا ہے۔

(۳۷) کلمۃ اللہ نے خُدا کی شناخت کو کمال کے درجے تک پہنچادیا

پس کلمۃ اللہ کا جسم کو اختیار کرنا بہت ہی مناسب تھا۔ اس نے اس جسم کو ایک اوزار کے طور پر استعمال کیا اور اس کے ذریعے سے اور اجسام کو بھی زندگی بخشی۔ اور جس طرح کہ وہ کائنات میں اپنے کاموں کے ذریعہ سے پہچانا جاتا ہے اسی طرح انسانی حالت میں بھی وہ بوسیلہ اپنے کاموں کے پہچانا گیا۔ اس نے اپنے آپ کو ہر جگہ دکھلایا۔ کوئی حصہ اس کی خُدائی طاقت اور پہچان سے خالی نہ رہا۔

جہان کا ہر ایک حصہ اس کی حضوری سے بھرپور ہے۔ اس نے جسم کو لیا تاکہ ہر شے کو اپنی پہچان سے بھر دے۔ پاک کلام کی بھی یہی تعلیم ہے کہ ''کل زمین خُداوند کی پہچان سے بھر گئی'' (یسعیاہ ۱۱:۹)۔ اگر کوئی آسمان کی طرف سے دیکھے تو وہاں عجیب ترتیب کو دیکھے گا۔ یا اگر وہ اپنے سر کو اوپر کی طرف اُٹھا نہیں سکتا تو صرف آدمیوں ہی دیکھے۔ تب اسے معلوم ہو گا کہ مسیح کی وہ طاقت جو اس کے کاموں میں دکھائی دیتی ہے ایسی بڑی ہے کہ انسان کی طاقت اس کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔ اسے یہ بھی یقین ہو جائے گا کہ فقط مسیح بنی آدم میں کلمۃ اللہ ہے۔ یا اگر کوئی جنّوں کی طرف توجہ کرے اور ان کو دیکھ کر متحیر ہو تو اسے یہ معلوم ہو گا کہ مسیح ان کو نکالتا ہے اور صریحاً ان کا مالک ہے یا اگر وہ پانی کو دیکھے اور مصریوں کی مانند ان کی پرستش کرنے لگے تو دیکھے گا کہ مسیح پانی کو تبدیل کر سکتا ہے اور اس کا خالق ہے۔

کیونکہ خُداوند نے ہر شے کو چھوا ہے اور سب کو ہر طرح کے فریب سے رہا کیا ہے۔ پولُس کا قول ہے کہ اس نے حکومتوں اور اختیاروں کو اپنے اوپر سے اتار کر ان کا برملا تماشہ بنایا۔ اور صلیب کے سبب سے ان پر فتح یابی کا شادیانہ بجایا (کلسیوں ۲:۱۵) تاکہ اب سے کوئی فریب میں نہ رہے بلکہ ہر جگہ سچے کلمۃ اللہ کو پا سکے۔

پس آدمی کلمۃ اللہ کی خُدائی کو دیکھ کر اور اس سے محاط (مشہور، احاطہ کیا گیا، سمجھا گیا) ہو کر آسمان میں عالم ارواح میں۔ آدمی میں زمیں پر خُدا کی نسبت اب دھوکا نہیں کھا سکتا۔ بلکہ فقط کلمۃ اللہ کی پرستش کرتا اور بوسیلہ اس کے باپ کو سچے طور پر پہچانتا ہے۔

(۳۸)بت پرستی کا زوال

بت پرستی کو لوگوں نے کس وقت سے ترک کرنا شروع کیا؟۔ جب سے کہ خُدا جو سچا کلمتہ اللہ ہے دنیا میں آیا اور کب غیب بینی یونانیوں میں سے جاتی رہی اور ہر جگہ ختم ہوئی اور بیہودہ مانی گئی؟ جب کہ منجی نے اپنے آپ کو زمین پر ظاہر کیا۔ کب لوگوں کو معلوم ہوا کہ وہ اشخاص جن کو قدیم زمانہ میں شعرا دیوتا اور ہیرو کہتے تھے محض انسان تھے؟ اس وقت جب کہ خُداوند نے موت پر فتح پائی اور اس جسم کو جسے اس نے پہنا تھا۔ سڑنے سے بچایا اور مردوں میں سے اٹھایا کب بنی آدم شیاطین کے فریب سے چھوٹے؟ اسی وقت جب کلمہ جو خُدا کی طاقت اور شیاطین کا بھی مالک ہے بنی آدم کی کمزوری پر رحم کھا کر دُنیا میں ظاہر ہوا۔ کب جادو کے فن اور جادو گروں کے مدرسوں کے بھید فاش ہوئے؟ جب کہ کلمتہ اللہ نے بنی آدم کو اپنا خُدائی دیدار بخشا۔ یونانیوں کی عقل و حکمت کب نادانی سے مبدل (تبدیل) ہو گئی؟ جب کہ خُدا کی سچی حکمت بے اپنے آپ کو زمین پر ظاہر کیا۔ قدیم سے یہ حال ظاہر تھا کہ دُنیا بُتوں کی پرستش میں گمراہ ہے اور سوائے بُتوں کے اور کوئی خُدا نہیں مانا جاتا تھا۔ لیکن اب کل دنیا میں خلق خُدا بتوں کے وہم کو ترک کر کے مسیح کی طرف دوڑ رہی ہے اور اس کو خُدا مان کر پوجتی ہے اور بوسیلہ اس کے باپ کی شناخت حاصل کرتی ہے جسے آگے جانتی نہ تھی۔

اور حیرت کا مقام یہ ہے کہ گو پہلے مختلف اقسام کے صدہا (سینکڑوں) معبود تھے اور ہر شہر اور گاؤں کا معبود نرالا تھا اور ایک موضع (گاؤں) کا خُدا دوسرے موضع پر کچھ اختیار نہ رکھتا تھا اور نہ دوسرے موضع کے لوگوں سے اپنی پرستش کرا سکتا تھا بلکہ بمشکل اپنے ہی گاؤں میں مانا جاتا تھا مگر اب سب کے سب مسیح کی پرستش کرتے ہیں اور وہ کام جو بُتوں سے نہ ہو سکا کہ غیر علاقے والوں کو اپنے تحت میں کرے اس بہت کچھ زیادہ مسیح سے ہوا کہ اس نے ایک عالم کو اپنی اور اپنے باپ کی پرستش کا قائل اور معتقد کر دیا۔

(۳۹) مسیح کے کام اس کی الوہیت پر شاہد ہیں

ہمارے دعوے فقط ہماری باتوں پر منحصر نہیں بلکہ تجربہ ان کی صداقت پر گواہی دیتا ہے۔ جو چاہے آئے اور نیکی کا ثبوت ان باعصمت باکرہ عورتوں کی زندگی میں دیکھے جن کا خاص کام اپنے تئیں ضبط کرنا ہے اگر کوئی بقا کا یقین دیکھنا چاہے تو بے شمار شہیدوں کو دیکھے جنھوں نے اگلی زندگی کی امید میں اس زندگی کو قربان کر دیا ہے۔

پس یہ شخص مسیح کتنا بڑا ہے جس کا نام ہی ایسی تاثیر رکھتا ہے اور جس کے سامنے تمام مخالف طاقتیں کمزور بلکہ زائل ہو جاتی ہیں۔ جو سب پر زبردست ہے اور جس نے اپنی تعلیم سے کل دنیا کو بھر دیا ہے۔ ٹھٹھا کرنے والے بے شرم یونانیوں کو اِس کا جواب دینا چاہئے۔ اگر وہ فقط انسان ہے تو کس طرح ان کے اقتدار پر غالب آتا ہے جنہیں وہ الٰہ مانتے ہیں۔ بلکہ اسی نے انہیں ہستی سے معدوم ثابت کر دکھایا۔

(۴۰) مسیح کے کام بے مثل ہیں

بنی آدم میں کون ایسا ہوا ہے جس نے اپنے واسطے بذریعہ ایک کنواری عورت کا جسم تیار کیا؟ کون ایسا ہوا ہے جس نے اپنی بیماریوں کو دور کیا؟ جیسا سب کے خُداوند نے کہا ہے۔ کس میں یہ طاقت تھی کہ کسی کو وہ شے بخشے جو اسے پیدائش سے حاصل نہ تھی اور مادر زاد اندھے کو بصارت بخشی۔

کس کی موت کے وقت آفتاب تاریک ہو گیا؟ موت ہمیشہ سے بنی آدم پر غالب ہے اور آج کل بھی لوگ مرتے ہیں۔ لیکن کس کی موت کے وقت ایسا اچنبا (حیرت کی بات) دیکھا گیا؟۔

ان کاموں کو چھوڑ دو جو جسم میں ہو کر کئے اور ان پر غور کرو جو اس کی قیامت کے بعد دیکھئے گئے۔ کیا کبھی کوئی ایسا ہوا ہے جس کی تعلیم یکساں ایسی عالمگیر ثابت ہوئی ہو اور دنیا کے ایک سرے سے لے کر دوسرے سرے تک پھیل گئی ہو جس کو کل عالم نے بالاتفاق پوجنا قبول کر لیا ہو؟ اگر مسیح فقط ایک آدمی ہے اور خُدا اور کلمہ نہیں تو بت کس لئے اس کی پرستش کو اپنے علاقوں میں آنے سے نہیں روکتے۔ پس یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ کلمۃ اللہ نے دنیا میں آکر اپنی تعلیم سے دوسرے معبودوں کی پرستش بند کر دی ہے اور ان کے عابدوں کے جھوٹے دعوے توڑ کر انھیں شرمندہ کر دیا ہے۔

(۴۱) مسیح کی فضیلت بمقابلہ حکام اور حکماء کے

اس شخص سے پہلے دنیا نے بے شمار بادشاہ اور جابر دیکھے ہیں کسدیوں مصریوں اور ہندیوں کی تواریخ میں کئی بڑے بڑے دانا اور جادوگروں کا ذکر ہے۔ لیکن ان میں کون ایسا ہوا جس نے اپنی زندگی میں (موت کے بعد کا یہاں ذکر نہیں) ایسے غلبے کے ساتھ دُنیا کو اپنی تعلیم سے بھر دیا ہو؟ کسی میں یہ طاقت تھی کہ اتنے آدمیوں کو بت پرستی کے وہم سے چھڑا کر اپنا معتقد (پیرو) بنالے جتنے ہمارے منجی نے بنائے؟ یونانی فیلسوفوں نے بڑی بڑی دلکش اور مدلل کتابیں لکھیں۔ لیکن مسیح کی صلیب کے مقابلہ میں ان کی عقل کی کیا وقعت ہے۔ ان کی دلیلیں ان کی زندگی میں زور رکھتی تھیں۔ بلکہ جب کہ وہ زندہ تھے ان کا منہ پر جن کی نسبت ان کا خیال تھا کہ ہم نے ان کو کمال تک پہنچایا ہے بحث رہی۔ ایک عالم دوسرے کے ساتھ بحث کرتا بلکہ اس کو برا کہتا تھا۔ لیکن تعجب کا مقام ہے کہ کلمۃ اللہ نے گو اس کے الفاظ بہت سیدھے تھے عالموں کے باریک خیالات کو حقیر کر دیا اور ان کی تعلیم کو سچ ٹھہرا کر سب آدمیوں کو اسی طرح اپنی طرف کھینچا ہے کہ اس کے گرجا اور عبادت گاہیں بالکل بھر گئی ہیں پھر اور تعجب کا مقام یہ ہے کہ اس نے حالت بشری میں موت کی وادی میں اتر کر ان بلند دعوؤں کو جو دنیا کے عقلمند بتوں کی نسبت کیا کرتے تھے باطل کر دیا ہے کس کی موت سے کبھی دیو بھاگے یا کس کی موت سے کبھی شیاطین ایسے ڈرے جیسے کہ مسیح کی موت سے ڈرے تھے؟ جہاں کہیں منجی کا نام لیا جاتا ہے وہاں سے تمام شیاطین بھاگ جاتے ہیں۔ کسی میں یہ طاقت ہوئی کہ آدمیوں کی نفسانی خواہشوں کو اس طرح مغلوب کرتا کہ زانی معصوم ہو گئے۔ خونی تلوار کو چھوڑ بیٹھے۔ اور بزدل دلیر ہو گئے مسیح کے ایمان اور صلیب کے نشان کے سوا اور کسی میں یہ طاقت تھی کہ وحشی لوگوں اور مختلف قوموں سے دیوانگی ترک کرا کر صلح کا خواہاں اور اتفاق پر مائل کر دے؟ مسیح کی صلیب اور اس کے بدن کی قیامت سے زیادہ کونسی بات نے بنی آدم کو بقا کا یقین دلایا ہے۔ یونانی ہر شے کی نسبت جھوٹ

بولنے کے عادی تھے لیکن یہ خیال ان کو کبھی نہ آیا کہ اپنے بتوں میں سے کسی کی نسبت دعوے کریں کہ وہ مردوں میں سے زندہ ہوا ہے۔ وہ جانتے بھی نہ تھے کہ موت کے بعد جسم کا رہنا ممکن ہے۔

(۴۲) مسیح کی اخلاقی قوت

کس نے مسیح کے برابر اپنی موت کے بعد یا زندگی میں عصمت اور تجرد کی ایسی پر تاثیر تعلیم دی ہے۔ یا کس نے بتایا ہے کہ بنی آدم میں اس صفت کا ہونا درحقیقت ممکن ہے لیکن ہمارے منجی اور سب کے منجی اور بادشاہ مسیح کی تعلیم میں ایسی تاثیر ہے کہ لڑکے اور لڑکیاں جو ابھی ازروئے قانون سن بلوغ کو نہیں پہنچیں اور شرعاً ان پر واجب نہیں پھر بھی مجرّدرہ کر اپنی زندگی خُدا کو دینے کا عہد کرتی ہیں۔ انسانوں میں کس کا اختیار تھا کہ اپنا کلام دور دور کے ملکوں تک پہنچا کر جادو گروں۔ حد سے زیادہ وہمیوں۔ اور وحشیوں کو نیکی اور ضبط کی تعلیم دیتا اور ان کو سکھاتا کہ بت پرستی چھوڑ دیں؟ یہ سب اسی کے کام میں جسے ہم جہان کا خُداوند۔ خُدا کی قدرت اور خُداوند یسوع مسیح کہتے ہیں۔ اس نے نہ فقط اپنے حواریوں کے وسیلہ سے بشارت دی بلکہ آدمیوں کے ذہنوں پر ایسا اثر نہ ڈالا کہ ان کے اطوار کی وحشت دور ہو گئی اور انہوں نے اپنے موروثی بتوں کی پرستش کو ترک کر کے اس کا صاف علم حاصل کیا اور اس کے وسیلہ سے اس کے باپ کی پرستش کرنے لگے قدیم زمانے میں یونانی اور وحشی بتوں کو پوجتے۔ آپس میں جنگ کرتے اور اپنے رشتہ داروں پر بھی بے رحمیاں کرتے تھے اور ان کی اس متواتر جنگ وجدال کے سبب سے بغیر مسلح ہوئے کوئی خشکی یا تری کا سفر نہ کر سکتا تھا۔ کل زندگی لڑائیوں میں صرف ہوتی تھی۔ لکڑی کے بدلے لوگ تلوار ہاتھ میں رکھتے تھے اور ہر ضرورت کے موقع پر اسی پر اپنا بھروسہ کرتے تھے۔ گو وہ بتوں پوجتے اور دیوتاؤں کی ساتھ قربانیاں چڑھاتے تھے تاہم اس بت پرستی کا وہم اس کے ماننے والوں کو اس سے بہتر تعلیم پانے سے روک رہا تھا لیکن جب سے وہ مسیح کی تعلیم میں آگئے ہیں ان کے دل ہی بدل گئے ہیں۔ بے رحمی اور خونریزی کو ترک کر دیا اور جنگ سے ہاتھ اٹھا لیا ہے۔ مسیح نے ان کو اتفاق اتحاد کا گرویدہ بنا دیا ہے۔

(۴۳) مسیح کی آسمانی تعلیم اطمینان بخشتی ہے

پس وہ کون شخص ہے جس نے اتنا بڑا کام کیا ہے۔ وہ کون ہے جس نے پرانے دشمنوں کو صلح کے بند میں باندھا ہے۔ وہ باپ کا عزیز بیٹا یسوع مسیح ہے جو سب کا منجی ہے جس نے محبت کے باعث سب کی نجات کی خاطر ہر قسم کا دکھ سہا۔ اس صلح کی نسبت جو اس کی معرفت دنیا میں آنے والی تھی پہلے سے پیش گوئی ہو چکی تھی کہ ''وہ اپنی تلواروں کو توڑ کر پھالیں اور اپنے بھائیوں کو ہنسوے بنا ڈالیں گے۔ اور قوم قوم پر تلوار نہ چلائیں گے اور وہ پھر کبھی جنگ نہ سیکھیں گے (یسعیاہ ۲: ۴؛ میکاہ ۴: ۳)'' اس پیش گوئی کا یقین کر لینا کچھ دشوار نہیں۔ کیونکہ دیکھا جاتا ہے کہ وحشی اقوام جن کے اطوار طبعاً وحشیانہ ہیں۔ جب تک اپنے بتوں کے آگے قربانیاں گذرانتے رہے ہیں غیظ وغضب میں بھر کر آپس کے کشت وخون (لڑائی) میں مصروف رہتے ہیں۔ اور تلوار کو ایک پل بھر بھی ہاتھ سے نہیں چھوڑتے لیکن جب مسیح کی تعلیم ان کے کانوں میں پہنچتی ہے تو بجائے جنگ کے کاشتکاری کو اختیار کرتے ہیں اور بجائے تلوار پکڑنے کے دعا میں اپنے ہاتھوں کو بلند کرتے ہیں۔

بجائے آپس کی جنگ کے وہ شیاطین کے مقابلہ کے لئے مصلح (اصلاح کرنے والا) ہوتے ہیں اور تحمل اور اعتدال (درمیانی درجہ) اور روحانی نیکی سے ان پر ظفریاب ہوتے ہیں۔

منجی کی الوہیت کا ایک یہ ثبوت ہے کہ جس شے کو بنی آدم بتوں سے سیکھ نہ سکتے تھے اسے اُنہوں نے منجی سے سیکھا ہے۔اس سے شیاطین اور بتوں کی کمزوری اور بطالت پوری طرح ثابت ہوتی ہے۔شیاطین اپنی کمزوری سے آگاہ ہو کر آمیوں میں جنگ کراتے تھے۔تاکہ ایسا نہ ہو کہ بنی آدم ہماری کمزوری کو پہچان کر ہم سے جنگ کرنا شروع کریں۔لیکن جو لوگ مسیح کے پیرو ہو جاتے ہیں وہ آپس میں نہیں لڑتے۔بلکہ شیاطین کے مقابلہ میں صف بستہ ہو جاتے ہیں اور اپنی نیک چلنی اور اچھے کاموں کے ہتھیاروں کو پکڑ کر ان سے لڑتے ہیں۔وہ شیاطین پر جبر کرتے اور ان کے سردار یعنی شیطان پر ٹھٹھا کرتے ہیں۔جوانی میں ان کو ضبط کی طاقت۔ آزمائش میں استقلال اور بے عزتی میں صبر حاصل ہوتا ہے۔لُٹ جانے کی اُن کو کچھ پروا نہیں ہے۔اور سب سے بڑا تعجب یہ ہے کہ وہ موت کو بھی حقیر سمجھ کر مسیح کے شہید ہو جاتے ہیں۔

(۴۴) مسیح کی الوہیت اس کے عظیم الشان کاموں سے ظاہر ہوئی

کون ایسا انسان یا جادوگر یا جبار یا شہنشاہ ہوا ہے جس میں اتنی طاقت ہوئی ہو کہ اکیلا اتنے دشمنوں کا مقابلہ کر سکے۔اور تمام بت پرستی۔شیاطین کے لشکر جادو اور یونانیوں کی تمام حکمت کے خلاف جنگ کرے۔کون ایسا مضبوط اور آدمیوں کو حیرت میں ڈالنے والا ہوا ہے اور کون ایسا بہادر ثابت ہوا ہے کہ پہلے ہی حملہ میں کامیاب ہو جائے۔ہاں یہ تمام خوبیاں ہیں تو ہمارے خُداوند ہی میں ہیں۔جو سچّا کلمتہ اللہ ہے۔اس نے پوشیدگی میں سب کے فریب کو توڑا اور بنی آدم کو ان کی طرف سے ہٹا رہا ہے۔یہاں تک کہ جو پہلے بتوں کو پوجتے تھے وہی اب ان کو پامال کرتے ہیں اور وہ جو پیشتر اپنے جادو سے لوگوں کو حیرت میں ڈالتے تھے اب آپ اپنی جادو کی کتابوں کو جلا رہے ہیں۔

اور جو عقل مند ہیں وہ اب اناجیل کے معانی کو کھولنا سب کاموں سے زیادہ پسند کرتے ہیں۔جن کو وہ پہلے پوجتے تھے اب ان کو چھوڑتے جاتے ہیں اور مسیح جس پر وہ پہلے اس لئے ہنستے تھے کہ وہ ایک مصلوب شخص ہے اسے اب خُدا مان کر پوجتے ہیں۔اور وہ جو ان کے درمیان خُدا مانے جاتے ہیں صلیب کے نشان سے بھاگتے ہیں۔تمام دُنیا میں وہی مصلوب منجی خُدا اور ابن اللہ مشتہر (مشہور، شہرت دینے والا) ہو رہا ہے۔یونانیوں کے خُدا حقیر ٹھہر کر متروک (ترک کیا ہوا، رد کیا ہوا) ہو رہے ہیں۔اور مسیح کی تعلیم کے قبول کرنے والے ایسی پاکیزہ زندگی بسر کرتے ہیں کہ ویسی دیوتاؤں بھی نصیب نہیں ہوئی۔

اگر کوئی کہے کہ ایسے کام انسان کے بس کے ہیں تو ہم اس سے درخواست کرتے ہیں کہ کوئی ایسا آدمی پیش کرے جس نے کسی زمانے میں ایسے کام کئے ہوں۔تو ہم قائل ہو جائیں گے۔لیکن اگر یہ سب بظاہر اور درحقیقت انسان کے نہیں بلکہ خُدا کے کام ہیں تو ہم پوچھتے ہیں کہ مخالف کس لئے ایسی بے دینی سے ہمارے مالک کو جو ان کا پیدا کرنے والا ہے ماننے سے انکار کرتے ہیں۔

مسیح کو ماننے سے انکار کرنے والے اس شخص کی مانند ہیں جو مخلوقات کو تو دیکھتا ہے لیکن خالق کو نہیں پہچانتا۔ کیونکہ اگر اس قدرت سے جو عالم میں دیکھی جاتی ہے خُدا پہچانا جاتا ہے۔ تو بذریعہ ان کاموں کے جو مسیح نے جسم میں ہو کر کئے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ وہ کام انسانی نہ تھے بلکہ سب کے منجی کے تھے جو کلمتہ اللہ ہے اگر ان کو یہ علم ہوتا تو مقدس پولُس کے قول کے بموجب وہ جلال کے خُداوند کو صلیب نہ دیتے۔

(۴۵) مسیح کے کاموں کی حقیقت اور عظمت

خُدا غیر مرئی ہے اس کو کوئی دیکھ نہیں سکتا۔ لیکن اس کی پہچان اس کے کاموں سے انسان کو حاصل ہو سکتی ہے۔ اسی طرح جس کسی کی عقل مسیح کو نہیں دیکھ سکتی ان کاموں کو دیکھے جو مسیح نے کئے اور ان کے کرنے والا کو پہچانے۔ اور انصاف کرنے کہ آیا یہ کام بشر کے ہیں یا خُدا کے۔ اگر وہ کام بشر کے معلوم ہوں تو دیکھنے والے کو اختیار ہے کہ ان پر ہنسی اور تمسخر کرے۔ لیکن اگر وہ بشر کے نہیں بلکہ خُدا کے ثابت ہوں تو کیوں نہ مسیح کی الوہیت کو مان کر اس ٹھٹھے بازی سے باز آئے۔ ایسے کاموں پر ہنسنا جو ہنسنے کے قابل نہیں عقل مندوں کا شیوہ نہیں بر عکس اس کے اسے تعجب کرنا چاہئے کہ کیسے سادہ وسائل سے خُدائی امور ہم پر منکشف کئے گئے ہیں اور بوسیلہ موت کے بقاسب کو حاصل ہوئی۔ کلمتہ اللہ کے تجسم کی طفیل (وسیلہ، بدولت) سے اس کا عالمگیر انتظام سب کو معلوم ہو گیا۔ اسی تجسم کی طفیل سے دُنیا نے کلمتہ اللہ کو جو کل عالم کا منتظم اور صانع ہے پہچان لیا۔

وہ انسان بنا تا کہ ہم خُدا بنیں۔ اس نے اپنے آپ کو ذریعہ جسم کے ظاہر کیا تا کہ ہم غیر مرئی باپ کو پہچان سکیں۔ اس نے آدمیوں کے ہاتھوں سے بے عزتی اٹھائی تا کہ ہم بقا کے وارث بن جائیں۔ اور وہ چونکہ جو بذاتِ خود انفعال اور انتشار سے مبرا اور عین کلمتہ اللہ ہے اس کو ان باتوں سے کسی طرح کا نقصان نہ پہنچا بلکہ جو آدمی دکھ درد میں مبتلا تھے ان کی وہ خبر لیتا اور حفاظت کرتا تھا بلکہ ان دشمنوں تک کی جن کے ہاتھ سے خود اس نے رنج و آزار اُٹھایا تھا۔ وہ فتوحات جو نجات دہندہ نے بذریعہ اپنے تجسم کے حاصل کیں اس قسم کی اور اتنی بڑی ہیں کہ اگر ہم ان سب کا شمار کرنا چاہیں تو اس شخص کی مانند ہوں گے جو سمندر کی وسعت کو دیکھ کر اس کی موجوں کے شمار کرنے کا قصد کرے کیا کسی کی آنکھ میں یہ طاقت ہے کہ سمندر کی تمام لہروں کو معلوم کر سکے؟ ان کی کثرت تعداد اور ان کا تواتر حرکات ان کا شمار میں آنا ناممکن کر دیتا ہے۔ اسی طرح ان کل فتوحات کو معلوم کرنا جو مسیح نے جسم میں ہو کر حاصل کیں آدمی کے علم سے بعید ہے۔ کون ان کو شمار کے احاطے میں لا سکتا ہے؟ اس کی تو وہ فتوحات ہی جو آدمی کی عقل سے برتر و بالا ہیں بہ نسبت ان کی جن کو انسان سمجھ سکتا ہے شمار میں کہیں زیادہ ہیں۔ پس یہی بہتر ہے کہ ہم ان سب کے ذکر کا قصد نہ کریں۔ کیونکہ ہمارے الفاظ ایسے قاصر اور کمزور ہیں کہ ان کے ایک عشر عشیر (بہت تھوڑا سا) کا پورا بیان بھی نہیں کر سکتے۔ ہم نے فقط ایک حصہ کا بیان لکھا ہے اور بس جس سے تم کل کی حیرت افزا عظمت کا تصور خود کر سکتے ہو۔ اس کے سب کام حیرت افزا ہونے میں مساوی ہیں اور جدھر آنکھ پھرتی ہے ادھر کلمتہ اللہ کی خُدائی کے کام دیکھ کر حد سے زیادہ متحیر ہوتی ہے۔

(۴۶) گذشتہ دلائل کا خلاصہ

جو کچھ کہا گیا اس کے بعد مناسب ہے کہ تم اس بات کو سمجھو اور گذشتہ دلائل کے خلاصے پر غور کر کے خیال کرو کہ کیسے عظیم القدر اور تعجب خیز یہ امور ہیں کہ نجات دہندہ کے ہم میں رہنے کے وقت سے بت پرستی کی ترقی صرف بند ہی نہیں ہو گئی بلکہ جتنی موجود ہے وہ بھی رفتہ رفتہ گھٹتی جاتی ہے۔ یونانی حکمت بھی مرجھا گئی بلکہ معدوم ہوتی جاتی ہے۔ شیاطین اپنے مکر اور جھوٹے الہام اور سحر سے اب کسی کو فریب نہیں دے سکتے۔ اگر کبھی قصد کرتے بھی ہیں تو صلیب کا نشان ان کو شرمندہ کر دیتا ہے۔

پس دیکھو کس طرح منجی کی تعلیم ترقی کر رہی ہے۔ اور تمام بت پرستی اور ہر شے جو مسیحی ایمان کو روکنے والی ہے۔ کس طرح روز بروز گھٹتی اور کمزور ہو ہو کر مسمار ہوتی جاتی ہے۔ اب یہ سب کچھ دیکھ کر تو اس نجات دہندہ کی پرستش کرو جو سب سے برتر اور قادر اور کلمۃ اللہ ہے۔ اور ان مخالفوں کو ملزم ٹھہروں ا جو اس سے شکست کھاتے اور معدوم ہوتے جاتے ہیں۔

جب آفتاب نکلتا ہے تو تاریکی زائل ہو جاتی ہے اگر کہیں ذرہ بھی تاریکی رہ گئی ہو تو وہ بھی آفتاب کے نکلنے سے دور ہو جاتی ہے۔ اسی طرح اب بھی جب کہ کلمۃ اللہ نے اپنا خُدائی جلوہ دکھایا تو بتوں کی تاریکی کا غلبہ دور ہو گیا اس کی تعلیم نے کل دنیا کو اور اس کے ہر حصہ کو منور کر دیا۔ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ کسی ملک میں ایک شہنشاہ حکمران ہے لیکن وہ اپنے آپ کو ظاہر نہیں کرتا بلکہ اپنے محل میں رہتا ہے اس کی غیبت میں کوئی سرکش اپنے آپ کو بادشاہ بنا بیٹھتا ہے اور سلطنت کے ظاہری آثار دکھا کر بھولی رعیت کو فریب دیتا ہے۔ لوگ تو جانتے ہیں کہ ہمارا ایک بادشاہ ہے لیکن بباعث اس کو دیکھ نہ سکنے کے اور خاص کر اس سبب سے کہ محل کے اندر جا نہیں سکتے وہ فریب میں آجاتے ہیں۔ لیکن جب اصل بادشاہ باہر نکل کر ظاہر ہوتا ہے تو وہ سرکش دھوکے باز اس کی حضوری کے باعث قائل و شرمند ہو جاتا ہے۔ جب رعایا حقیقی بادشاہ کو دیکھ لیتی ہے تو اس دھوکے باز کو ترک کر دیتی ہے۔ اسی طرح پیشتر شیاطین نے آدمیوں کو فریب دے رکھا تھا۔ اور دعوے کرتے تھے کہ خُدا کی عزت کے ہم ہی حقدار ہیں۔ لیکن جب کلمۃ اللہ جسم میں ظاہر ہوا اور اپنے باپ کو ہم پر ظاہر کیا اس وقت شیاطین کا فریب غائب اور موقوف ہو گیا۔ آدمیوں نے سچے خُدا یعنی باپ کے کلمہ کو دیکھ لیا اور بتوں کو چھوڑ کر اسی خُدائے برحق کا صحیح عرفان حاصل کر لیا۔

اس سے ثابت ہوا کہ مسیح خُدا اور کلمہ اور خُدا کی قدرت ہے۔ انسانی بناوٹ تمام ہوتی جاتی ہے۔ مسیح کا کلام باقی ہے۔ پس ظاہر ہے کہ جو اشیاء تمام ہوتی جاتی ہیں وہ عارضی ہیں۔ لیکن وہ جو باقی رہتا ہے خُدا اور خُدا کا حقیقی بیٹا اور اکلوتا کلمہ ہے۔

(۴۷) خاتمہ۔ پاک نوشتوں میں ڈھونڈو

اے مسیح کے محب یہ رسالہ ہماری طرف سے تیرے لیے ایک ہدیہ ہے اس میں ہم نے مسیحی ایمان اور مسیح کے ظہور خدائے کا مختصر بیان کر کے خاکہ کھینچا ہے۔ اگر تو اس رسالہ کے خیالات کو لے کر پاک کلام کو پڑھے اور سچائی سے اس میں دل لگائے تو تجھ کو کامل اور صاف طور پر ان باتوں کی صداقت معلوم ہو جائے گی

جن کو ہم نے یہاں بیان کیا ہے پاک کلام خدا کا کلام اور خدا کی تصنیف ہے اور اس کو ان لوگوں نے تحریر کیا جو علم الٰہی کے عالم تھے۔ ہم نے اس کی تعلیم ان لوگوں سے پائی ہے جن پر الہام نازل ہوا اور جنہوں نے نوشتوں کو پڑھ کر مسیح کی الوہیت کی خاطر اپنی جان نثار کر دی۔

جو تعلیم ہم نے ان سے پائی تھی تجھے اس کا عاشق سمجھ کر اب تیرے حوالہ کرتے ہیں۔ تجھے اس کی دوسری جلالی اور حقیقی آمد بھی معلوم ہو جائے گی جب کہ وہ نہ عاجزی میں بلکہ اپنے اصل جلال میں آئے گا۔ نہ فروتنی میں بلکہ مناسب شان میں۔ نہ کہ تکلیف اٹھانے کے لئے بلکہ سب کو اپنی صلیب کے پھل بانٹنے کے لئے یعنی قیامت اور بقا۔ پھر بنی آدم اس پر عدالت کرنے کو نہ بیٹھیں گے بلکہ وہ سب کا منصف ہو گا۔ مطابق ان کاموں کے جو ہر ایک نے جسم میں ہو کر کئے ہیں خواہ وہ بھلے ہوں یا بُرے۔ تب نیکوں کو آسمان کی سلطنت عنایت ہو گی۔ لیکن بدوں کو ہمیشہ کی آگ اور باہر کی تاریکی۔ خداوند نے خود بھی فرمایا ہے ''میں تم سے کہتا ہوں کہ اب سے تم ابن آدم کو قادر مطلق کی دہنی طرف بیٹھے اور آسمان کے بادلوں پر آتے دیکھو گے (متی ۲۶: ۶۴) اس آمد کے لئے تیاری کرنے کو منجی کے الفاظ ہمارے پاس ہیں۔ پس جاگتے رہو۔ کیونکہ تمہیں معلوم نہیں کہ کس دن تمہارا خداوند آئے گا (متی ۲۴: ۴۲) اور مبارک پولُس نے بھی فرمایا ہے کہ ضرور ہے کہ مسیح کے تخت عدالت کے سامنے جا کر ہم سب کا حال ظاہر کیا جائے تاکہ ہر شخص اپنے ان کاموں کا بدلہ پائے جو اس نے جسم کے وسیلے سے کئے ہوں۔ خواہ بھلے ہوں یا بُرے (۲۔ کرنتھیوں ۵: ۱۰)۔

نوٹ:۔ اس سے اتھناسیس اپنے ان استادوں کی طرف اشارہ کرتا ہے جنہوں نے ۳۰۳ء سے ۳۱۳ء تک کے بڑے ظلم میں شرف شہادت حاصل کیا۔

(۴۸) خاتمہ۔ مقدسوں کی پیروی کرو

لیکن پاک کلام کی تحقیق اور سچی شناخت کے لئے نیک زندگی پاک روح اور مسیحی خوبیوں کی حاجت ہے تاکہ اس کے ذریعے سے دل کی ہدائت ہو اور آدمی کو ان باتوں تک رسائی حاصل ہو جن کو وہ لینا چاہتا ہے اور جہاں تک کلمۃ اللہ کی پاک ذات میں آدمی کو ادراک (سمجھ، فہم) حاصل ہو سکتا ہے وہاں تک وہ پہنچ سکے ۔ بغیر پاک دلی اور مقدسوں کی زندگی کی پیروی کے ممکن نہیں کہ کوئی شخص انہیں مقدسوں کے الفاظ کو سمجھے۔

جب کوئی آفتاب کی روشنی کو دیکھنا چاہتا ہے تو اپنی آنکھوں کو پونچھ کر صاف کر لیتا ہے۔ جو کسی پاک شے کو ڈھونڈتا ہے۔ اسے لازم ہے کہ اپنے آپ کو پہلے پاک کرے اپنی آنکھ صاف کرے تاکہ آفتاب کی روشنی اسے پہنچے۔ اگر کوئی کسی شہر یا ملک کو دیکھنا چاہے تو اسے ضرور ہے کہ وہاں پہنچے اسی طرح جو کوئی عالموں کے خیالات کو سمجھنا چاہے تو اسے لازم ہے کہ ایسی زندگی بسر کرے جس سے اس کی روح شت اور پاک ہو جائے اور مقدسوں کے سے کام کر کے ان کا قرب حاصل کرے تاکہ روزمرہ کی زندگی میں ان کا شریک ہو کر ان باتوں کو سمجھے جو خدا نے ان پر کھولی تھیں اور یوں ان کے ساتھ متحد ہو کر گنہگاروں کی سزایابی اور روز حشر کی آگ سے بچے اور ان چیزوں کا وارث ہو جو مقدسوں کے لئے آسمان کی سلطنت میں رکھی ہوئی ہیں جن کو نہ آنکھ نے دیکھا نہ کان نے سنا نہ آدمی کے دل میں کبھی آئیں (۱۔ کرنتھیوں ۹: ۲) یعنی ایسی چیزیں جو ان کے لیے تیار کی گئی ہیں جو نیک زندگی بسر کرنے اور مسیح یسوع ہمارے خداوند میں خدا اور باپ سے محبت رکھتے ہیں۔ ابدالآباد اسی کے وسیلے سے اور اسی کے ساتھ باپ کی اور روح القدس کی عزت اور قدرت اور جلال ابدالآباد ہوتا ہے۔ **ختم شدہ**